دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد 09/•شمارہ 01/•جولائی/2019

ماہنامہ

فہمِ دین

اہلِ پاکستان کی خوش قسمتی

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

WWW.BAITUSSALAM.ORG

با شعور والدین کا با حیاء انتخاب
MUSHROOMS®
Where Modesty Meets Fashion
now
In Stores &
Online
www.mushrooms.com.pk
+92 300 81 888 48

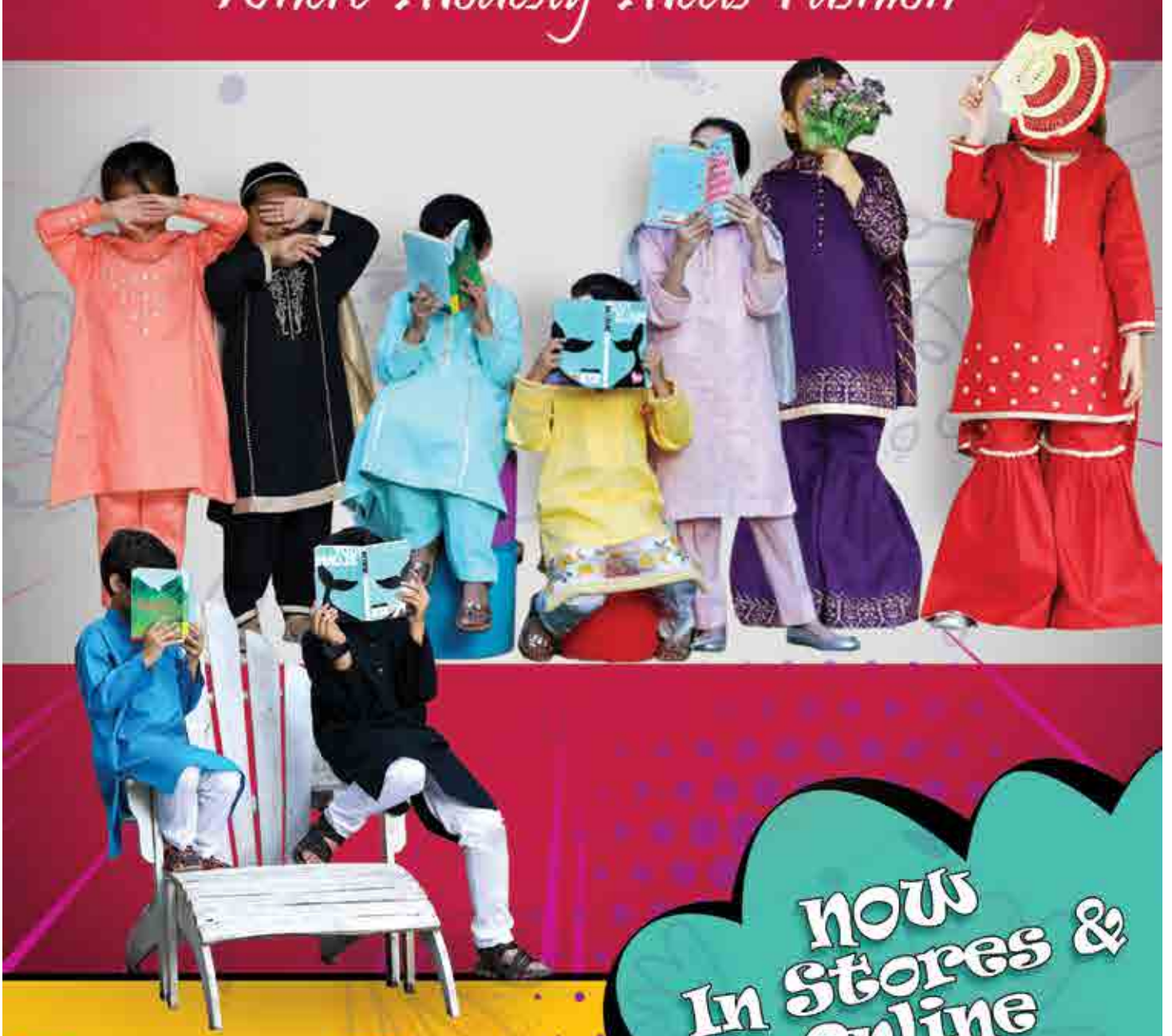

زیرسرپرستی

عبدالستار حفظہ اللہ

فہم وفکر

اہلِ پاکستان کی خوش قسمتی	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہُ اللہ	08

مضامین

بد تمیزی	ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی	10
روئے زمین پر سب سے افضل پانی	سید انور شاہ	12
مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	جنید حسن	14
ازدواجی بندھن اور معاشرتی سوچ	محمد دانش	16
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	20
باورچی خانہ اور ہماری صحت	حکیم شمیم احمد	22

خواتین اسلام

منزل کی تلاش	عاتکہ سلیم	25
بیٹیاں	امۃ اللہ	26
نفس کی بھوک	اہلیہ مظفر	30
قدرت کا کرشمہ	حمزہ رمضان	32
ہجرت	بنت گوہر	33
موسم گرما	اہلیہ محمد فیصل	34

باغیچہ اطفال

صفائی	فوزیہ خلیل	36
گڈو میاں نے کیک بنایا	اُمِ مصطفی	38
گیتو کی بینو	ڈاکٹر الماس روحی	40
لب پہ آتی ہے دُعا	سویرا فلک	42
ننھے ادیب		44
انعامات ہی انعامات		45

بزم ادب

ختم نبوت	اُسامہ سرسری	46
پہلے اور اب	عابی لکھنوی	47
ہیں منے میاں اپنے ابو کی جان	ارسلان اللہ خان	47
گلدستہ		48

اخبار السلام

خبرنامہ	ادارہ	50

ماہنامہ فہمِ دین کراچی

جولائی 2019ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر بھٹو
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	نوید فرید

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ :	40 روپے
سالانہ فیس :	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک :	35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | طابع: واسا پرنٹر | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

اہلِ پاکستان کی خوش قسمتی

مدیر کے قلم سے

یہ رمضان ترکی، شام اور پاکستان تین ملکوں میں گزارنے کا موقع ملا۔ سمجھ آ گیا کہ پاکستان کتنی بڑی نعمت ہے؟
اور پاکستان کے علمائے کرام نے اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان بنانے کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں؟
ترکی ہمارا برادر اسلامی ملک ہے، وہاں کے صدر رجب طیب اردگان کی اچھی پالیسیوں اور اندازِ حکومت کی وجہ سے بھی اہلِ پاکستان ترکی سے بہت محبت کرتے ہیں۔
یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ ترکی خلافتِ عثمانیہ کے دور میں آٹھ سو سال تک پوری دُنیا کے مسلمانوں کا واحد مرکز رہا ہے،
ترکوں کی زبان عربی نہیں، بلکہ ترکی ہے، مگر قرآن ماشاء اللہ یہاں کے باشندے بھی بہت اچھے لہجے میں پڑھتے ہیں، آدمی سنے تو سنتا ہی چلا جائے۔
یہی حال شام کا ہے۔ انبیا کی سرزمین ہے، یہاں کے باشندوں کی مادری اور قومی زبان عربی ہے اور اچھی آواز میں قرآن پڑھنے کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔
ہم نے ترکی اور شام میں تقریباً دس راتیں گزاریں، استنبول، ریحان لے، کلیس اور سرمدا کے شہروں میں جانا ہوا، مختلف مساجد میں تراویح پڑھنے کا موقع ملا۔
سبحان اللہ جہاں بھی تراویح پڑھی، لب و لہجہ بھی عمدہ ہوتا اور ٹھہراؤ بھی ہوتا، دِل خوش ہو جاتا۔
عام طور پر بڑی مساجد میں ہر روز کی تراویح ایک امام نہیں، بلکہ دو تین امام مل کر باری باری پڑھاتے ہیں، جس سے لطف اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے
مگر اس کے باوجود ہر روز تراویح کے بعد پاکستان کی یاد نے بہت ستایا، پاکستان کے علمائے کرام کی محنتوں کو سلام کرنے کا بھی دِل چاہا اور اہلِ پاکستان کا شکریہ ادا کرنے کا بھی۔
اس لیے کہ پورے ترکی اور پورے شام میں آوازیں اچھی اور لب و لہجہ دِل موہ لینے والا ہونے کے باوجود اِکا دُکّا مساجد کے علاوہ کہیں بھی تراویح میں ختمِ قرآن نہیں تھا،
ہم نے بہت جگہ اس کی وجہ پوچھنے کی کوشش کی، مگر ایک کمزور سا جواب یہ دیا جاتا رہا کہ ”نمازیوں میں کچھ ضعیف لوگ بھی ہوتے ہیں، اُن کے لیے مشکل ہوتا ہے۔“
لیکن مغرب کے تعلیمی نظام، فکری یلغار اور استعماری مزاج سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والا بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے،
بلکہ مغرب کی وہ بھرپور محنت ہے، جس کے نتیجے میں یہ لوگ مساجد اور مدارس کے اس نظام کو قائم نہ کر سکے،
جو برصغیر پاک و ہند میں علمائے کرام اور عوام کے اتحاد سے قائم ہوا۔
یہاں کے علمائے کرام نے سرکار کی بڑی بڑی پیش کشوں کو ٹھکرا کر، صرف روکھی سوکھی کھا کر، اپنی خواہشات کو دَبا کر
اور اپنی زندگیوں کو اسلام کی حفاظت کے لیے وقف کر کے نہ صرف یہ کہ پاکستان میں اسلام کی حفاظت کی، بلکہ دُنیا بھر میں اسلام پہنچانے کا سامان کیا
اور یہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجی، بلکہ یہ تعاون دو طرفہ تھا۔ ایک طرف علمائے کرام نے زندگیاں وقف کیں اور
دوسری طرف پاکستان کی عوام اور اہلِ اسلام نے اپنی تجوریوں کے دہانے بھی کھولے اور اپنے بیٹوں یا بیٹیوں میں سے کسی نہ کسی کو دین سیکھنے کے لیے مدارس بھی بھیجا
منبر و محراب کی اس مسلسل، تھکا دینے والی اور نا ختم ہونے والی اس محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر اور دیہات کی تو بات ہی نہ کریں، جو مسجد کسی جنگل اور ویرانے میں بھی بنی ہوتی ہے، وہاں بھی
رمضان میں اسپیکر کا عارضی انتظام کر کے مقامی لوگوں بلکہ پرانے بڈھوں نے تراویح میں ختمِ قرآن کی ترتیب بنا رکھی ہوتی ہے۔
قارئین! میں نے جب جب اہلِ پاکستان کی اس کاوش کو سوچا، میرا دِل اپنے علمائے کرام کے لیے اور عوامِ پاکستان کے لیے تشکر کے جذبات سے لبریز ہو گیا،
لیکن تشکر کے ان جذبات نے میرے کندھوں کو ”احساسِ ذمہ داری“ سے مزید بوجھل کر دیا
اور یہ پیغام لکھنے پر مجبور کر دیا کہ اے اہلِ پاکستان! جاگتے رہنا، غافل نہ ہونا، اس وقت تمہارے کندھوں پر صرف پاکستان کی نہیں،
بلکہ پوری دُنیا کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، پوری دُنیا کو حفّاظ اور علمائے کرام دینے کے لیے اپنی اولادوں کو وقف کرتے رہنا اور
سب سے بڑھ کر منبر و محراب سے ہمیشہ تعلق مضبوط رکھنا اور اسلام اور اسلامی قلعوں پر کبھی آنچ نہ آنے دینا۔
یہ طے کر لیں کہ اپنی زندگی میں ہر روز کے 1440 منٹ میں سے اپنی مسجد میں ہونے والا 10 منٹ کا درسِ قرآن یا درسِ حدیث ضرور سننا ہے
آپ یقین کریں سال کے 365 دِن روز کے دس منٹ دینی درس سننے سے سالانہ 3650 منٹ دین سیکھنے کا موقع مل جائے گا اور یہ بھی طے کر لیں کہ
ہفتے کے کل 168 گھنٹوں میں سے 167 گھنٹے چاہے اپنی ضروریات اور کاروبار کو دیں، مگر جمعے کے روز صرف آدھا گھنٹہ جمعے کا بیان ضرور سنیں۔
اور یوں سال کے 52 ہفتوں میں جمعے کے 52 لیکچرز کا آدمی اہتمام کر لے تو
یہ آدمی کا صرف اپنا نہیں، بلکہ نسلوں کا ایمان محفوظ کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے،
بچوں کو کم از کم ناظرہ قرآن ضرور پڑھائیں، یہ جہاں گھر میں برکت کا ذریعہ ہے، وہیں یہ دُنیا بھر میں اسلام پھیلنے کا ذریعہ ہے۔
پھر اللہ جسے حفظِ قرآن کی توفیق دے یا اپنے بچوں کو علمِ دین کے لیے فارغ کرنے کی اور مدارس میں پڑھانے کی توفیق دے، اس کی خوش قسمتی کے تو کیا کہنے!!!
اللہ تعالیٰ ہمیں مساجد اور مدارس کی قدر کر کے، علمائے کرام کا احترام کر کے اور
دین کی خدمت میں اپنا جانی اور مالی حصہ ڈال کر خوش قسمت بننے کی توفیق عطا فرمائے! آمین! والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ 166

ترجمہ...اور تمہیں جو مصیبت اس دن پہنچی جب دونوں لشکر ٹکرائے تھے، وہ اللہ کے حکم سے پہنچی، تاکہ وہ مومنوں کو بھی پرکھ کر دیکھ لیں۔ 166

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ 167

ترجمہ...اور منافقین کو بھی دیکھ لے اور ان (منافقوں) سے کہا گیا تھا کہ ”آؤ اللہ کے راستے میں جنگ کرو یا دفاع کرو۔“ تو انھوں نے کہا تھا کہ ”اگر ہم دیکھتے کہ (جنگ کی طرح) جنگ ہوگی تو ہم ضرور آپ کے پیچھے چلتے۔“ اُس دن (جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے) وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں، جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتی اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں، اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ 167

تشریح نمبر 1: ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور اس میں شریک ہوتے، لیکن یہاں تو مسلمانوں کا دشمن سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ دشمن کی تعداد تین گنا سے بھی زیادہ ہے، لہٰذا یہ جنگ نہیں، بلکہ خودکشی ہے، اس میں ہم شامل نہیں ہو سکتے۔

تشریح نمبر 2: یعنی زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ اگر برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور شامل ہوتے، لیکن یہ صرف ایک بہانہ ہے۔ درحقیقت! ان کے دل میں یہ ہے کہ برابر کی جنگ میں بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دینا۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 168

ترجمہ...یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے (شہید) بھائیوں کے بارے میں بیٹھے بیٹھے یہ باتیں بناتے ہیں کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ ”اگر تم سچے ہو تو خود اپنے آپ ہی سے موت کو ٹال دینا۔“ 168

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

ترجمہ...اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ 169

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ 170

ترجمہ...اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، وہ اس پر مگن ہیں اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، اُن کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ 170

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ 171

ترجمہ...وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ 171

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ 172

ترجمہ...وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے۔ 172

آل عمران 166-172

قرآن فہمی

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

فہم حدیث

گفتگو کے آداب

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ يَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِيْ قَوْلِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَقَدْ رَاَيْتُ اَوْ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ

ترجمہ... حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن، جبکہ ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہو کر (وعظ و تقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی تو آپؓ نے فرمایا: اگر یہ شخص مختصر بات کرتا تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں یہ مناسب سمجھتا ہوں۔“ یا آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے۔“ ”بات کرنے میں اختصار سے کام لو، کیوں کہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔“ (سنن ابی داؤد)

تشریح نمبر 1: تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات سے سننے والے اکتا جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر یا وعظ سے سامعین شروع شروع میں بہت اچھا تاثر لیتے ہیں، لیکن جب بات حد سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے تو لوگ اکتا جاتے ہیں اور وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا رِضْوَانَهٗ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهٗ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ

ترجمہ... بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے، جس کی پوری برکت اور قدر و قیمت وہ خود بھی نہیں جانتا، مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنے حضور میں حاضری تک کے لیے، اس بندے کے واسطے اپنی رضا طے فرما دیتا ہے اور (اسی طرح) کبھی آدمی کی زبان سے شر کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے، جس کی برائی اور خطرناکی کی حد وہ خود بھی نہیں جانتا، مگر اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس آدمی پر آخرت کی پیشی تک کے لیے اپنی ناراضی اور اپنے غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔
(شرح السنہ للبغوی)

تشریح نمبر 2: حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ اللہ اور آخرت کے انجام سے غافل و بے پروا ہو کر باتیں نہ کرے، کیوں کہ منہ سے نکلنے والی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے، جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص رضا و رحمت کا مستحق بنا دے اور (خدا پناہ میں رکھے) ایسی بھی ہو سکتی ہے، جو اس کی رضا و رحمتِ الٰہی سے محروم کر کے جہنم میں پہنچا دے۔

عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ اَثْنٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِيْكَ ثَلٰثًا ... مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ اِنْ كَانَ يَرٰى اَنَّهٗ كَذٰلِكَ وَلَا يُزَكِّيْ عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا

ترجمہ... حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کی تعریف کی (اور اس تعریف میں بے احتیاطی کی) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم نے اپنے اس بھائی کی (اس طرح تعریف کر کے) گردن کاٹ دی۔“ (یعنی ایسا کام کیا، جس سے وہ ہلاک ہو جائے) یہ بات آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (اس کے بعد فرمایا) ”تم میں سے (کسی بھائی کی) تعریف کرنا ضروری ہی سمجھے اور اس کو اس تعریف و مدح کا مستحق سمجھے تو یوں کہے کہ میں فلاں بھائی کے بارے میں ایسا گمان کرتا ہوں (یعنی میری اس کے بارے میں یہ رائے ہے) اور اس کا حساب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (جس کو حقیقت کا پورا علم ہے) اور ایسا نہ کرے کہ خدا پر کسی کی پاکیزگی کا حکم لگائے۔ (یعنی کسی کے حق میں ایسی بات نہ کہے کہ وہ بلاشبہ اور یقیناً عند اللہ پاک اور مقدس ہے، کیوں کہ یہ خدا پر حکم لگانا ہے اور کسی بندے کو اس کا حق نہیں ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

Shangrila

THE FOOD EXPERTS

SHANGRILA KETCHUP AND SAUCES

TASTY!

DELICIOUS!

KHAANON KAY MUST HAVES!

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

تقویٰ کی آسان صورت

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

تقویٰ بہت آسان ہے، سارے گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ نہیں۔ گناہوں سے بچنے کی کوشش کا نام تقویٰ ہے۔ کتنا آسان تقویٰ ہے جو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا ذریعہ ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری بھلائیاں تقویٰ کے ساتھ ہیں۔ جنت کو لے لیجیے: ''وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا'' دشمن سے بچاؤ مقصود ہو تو بھی تقویٰ اختیار کرنے کا کہا گیا ہے: ''وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا'' یعنی تقویٰ اختیار کرو ان کی تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ مالی پریشانی اور بے روزگاری کا علاج بھی تقویٰ میں ہی مضمر ہے: ''وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ'' زندگی میں مشکلات پیش آتی ہیں تو مشکل کے بدلے میں آسانی کیسے آئے گی؟ اس کا حل بھی اللہ تعالیٰ نے تقویٰ ہی تجویز فرمایا ہے: ''وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا''۔ برکت: ''وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ'' تقویٰ زمین و آسمان کی برکتوں کے حاصل ہونے کا سبب ہے۔ حاسد، بے دین اور ظالم پیچھے لگے ہوئے ہیں، تب بھی تقویٰ اختیار کریں۔

کوئی یہ کہے کہ میں گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن پھر بھی ہو جاتے ہیں، پھر توبہ کرتا ہوں پھر ہو جاتے ہیں۔ ارے میاں پھر بھی تو متقی ہے۔ ''أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ'' اولیاء کون ہیں؟ ''الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ'' جو ایمان کے بعد تقویٰ اختیار کرے وہ اللہ کا ولی ہے۔ جو گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے، چاہے وہ گناہ ظاہری ہوں یا باطنی! دنیا کی محبت، حسد، کینہ، حبِّ جاہ، واہ واہ وغیرہ یہ باطنی گناہ ہیں۔ کسی برائی کا خیال آجاتا ہے، لیکن اس خیال کو ہی برا سمجھتا ہے کہ کیوں آگیا۔ کسی کے بارے میں بدگمانی ہوتی ہے تو فوراً صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دنیا کی محبت دل میں آنا شروع ہوتی ہے تو نفرت کرتا ہے کہ کیوں آنا شروع ہو گئی۔ ان سب چیزوں سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے تو اس میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں۔

تقویٰ کی بدولت بہت زندگی آسان ہو گی۔ اللہ نے فرمایا ہے: ''وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا'' جو تقویٰ اختیار کرتا ہے تو ہم اس کے ہر کام میں آسانی کر دیتے ہیں۔ جب اللہ کہہ رہا ہے تو ہمیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر وقت کا حاکم کاروبار کرنے کا کہہ دے کہ تم کاروبار کرو تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا ہم بیٹھے ہیں نہ اوپر، تو آدمی کتنے اطمینان سے کام کرے گا کہ انھوں نے تسلی دے دی ہے، اطمینان دلا دیا ہے۔ جب کہ اس طرف بادشاہوں کا بادشاہ کہہ رہا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو میں آسانیاں پیدا کر دوں گا، پھر ہمیں کس چیز کا ڈر اور خوف دامن گیر ہے؟

تقویٰ گناہوں سے بچنے کی کوشش کا نام تو ہے، لیکن یہ تقویٰ نہیں ہے کہ 10 گناہوں سے تو بچتا رہے اور ایک گناہ کرتا رہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ساری آگ بجھا دی اور ایک چنگاری اپنے بیگ میں رکھ دی کہ ایک چھوٹی سی چنگاری ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے تو اس شخص کے بیگ کا جو حال ہو گا وہ ہم سب کو پتا ہی ہے۔ کوشش سب گناہوں سے بچنے کی ہو، کسی گناہ کو نظر انداز نہ کرے، کسی بھی گناہ کو معمولی نہ سمجھے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ایک جھوٹ ہی تو بولنا ہے سب لوگ بول ہی تو رہے ہیں۔ میں بھی حرام کام کر لوں سبھی یہی کر رہے ہیں۔ یہ انداز خطرناک ہے، یہ تقویٰ نہیں ہے۔ یہ گویا اپنے ہاتھوں سے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے۔ اپنے لیے برکتوں کے دروازے خود بند کر رہا ہے۔ خود ہی اپنے لیے مشکلات کھڑی کر رہا ہے۔ اس وقت یہ خود ہی

اپنا ذمہ دار ہو گا! اللہ اپنی مدد و نصرت ہٹالیں گے۔

اسی طرح ہمارے ہاں شرعی پردہ نہیں ہوتا' لوگ کہتے ہیں بس یار اتنے کام کر لیے یہ تو رہنے دیتے ہیں' کزن سے کون پردہ کرتا ہے۔ ارے میاں گناہ تو کر رہے ہو نا! کوشش تو کرو اپنی طرف سے' کوشش بھی نہیں کرتا۔ اس گناہ کے کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہوئی ہے' یہ خطرناک بات ہے جو گناہوں کو خوشی سے قبول کرتا ہے' اس کا نقصان بہت ہے۔ وہ متقی نہیں ہے۔ اللہ نے متقی آدمی کی نشانی بتائی ہے "اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا" متقی آدمی کو جب شیطان گناہ و گمراہی کی طرف لے جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنا ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ متقی آدمی گناہ نہیں کرتا گناہ شیطان اس سے کرواتا ہے' لیکن اسے ندامت ہو جاتی ہے تو وہ فوراً توبہ کر لیتا ہے۔ اللہ میاں فرما رہے ہیں کہ تقویٰ سے میں آسانیاں پیدا کروں گا' تمہارے رزق میں میں برکت دوں گا' تمہاری مشکلات میں آسان کروں گا' پل صراط سے میں گزرواؤں گا' جنت دوں گا' تمہاری دنیا بھی خوش گوار کر دوں گا تو اور کیا چاہیے؟ زندگی کو خوب صورت بنانے کا اس سے اچھا طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اب بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ میاں تقویٰ تو بڑے لوگوں کا کام ہے' ہم جیسے لوگ کہاں متقی بن سکتے ہیں۔۔۔ تو میاں تقویٰ اس کا نام نہیں ہے کہ تم سارے گناہوں سے بچو' بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ تم گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرو اور یہ ہر کوئی کر سکتا ہے' بس ذرا ہمت چاہیے۔

ایک مسئلہ ہمارے ہاں غیبت کا بھی ہے' یہ چیز آج کل بہت ہونے لگی ہے معاشرے میں۔ ایک یہ ہے کہ آپ اس بات کو پلّے سے باندھ کر بیٹھ رہیں کہ بھئی تھوڑی بہت تو ہو ہی جاتی ہے اور ایک یہ بات ہے کہ کوشش کریں کہ غیبت نہیں کرنی۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ میں تو سچی بات کر رہا ہوں جو اس میں ہے' یعنی سچی غیبت کر رہا ہوں۔ جب ہم اتنے بڑے بڑے گناہ ایسی آسانی سے کر لیتے ہیں تو پھر خیر کہاں سے آئے گی؟ ان گناہوں کے کرنے کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ نیکیوں پر استقامت مل جائے' تو کبھی بھی نہیں ملے گی۔ جس دن ہم نے ہر گناہ سے بچنے کی کوشش کر لی ہم ان شاء اللہ متقی بن جائیں گے۔

ہم بسا اوقات دین کی طرف آتے ہیں تو 10 فیصد چھوڑ دیتے ہیں باقی 90 فیصد وہی کام کرتے رہتے ہیں۔ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ 90 فیصد بچ جاتا ہے' 10 فیصد گناہوں میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ معاملہ پردے کے بارے میں اکثر پیش آتا ہے کہ بھئی یہ تو میری کزن ہیں ان سے کیا پردہ؟ اور بھابھیوں نے تو مجھے پالا ہے ان سے کیسے پردہ کروں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ متقی بن ہی نہیں سکتے کہ آپ جان بوجھ کر گناہ کر رہے ہیں۔

بس ہمارے دل میں یہ بات سما گئی ہے کہ اس دور میں تو ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم گناہوں سے بچ جائیں۔ کیا ہم گناہوں سے بچنے کے لیے پہاڑوں میں چلے جائیں؟ خانقاہوں میں ڈیرے ڈال لیں؟ مسجد کے گنبد میں بند ہو جائیں؟ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔

ہم جیسا ایک آدمی ایک بزرگ کے پاس گیا' اس نے بھی یہی کہا کہ حضرت! میں کیسے آنکھیں بچاؤں؟ آج کے دور میں یہ ناممکن کام ہے تو اس بزرگ نے اس کو لبالب بھرا پیالہ دیا اور کہا کہ اس بازار کے اِس کونے سے اُس کونے تک جاؤ' دھیان رکھنا ایک قطرہ بھی نہ گرے۔ ایک دوسرا آدمی ساتھ لگا دیا اور اسے کہا کہ جیسے ہی قطرہ گرے سب کے سامنے ایک جوتا لگا دینا۔ اب وہ بہت احتیاط سے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گیا۔ پیالے کا پانی اس نے نہیں گرنے دیا' کیوں کہ اسے پتا تھا کہ اگر ایک قطرہ بھی گر گیا تو سب کے سامنے جوتا لگے گا تو بڑی شرمندگی اٹھانا پڑے گی' پھر اس بزرگ نے پوچھا کہ بازار میں کیا ہو رہا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت مجھے اپنی پڑی ہوئی تھی آپ بازار کا پوچھ رہے ہیں۔ اس جواب پر وہ بزرگ کہنے لگے: جیسے پیالے کے دھیان اور جوتے لگنے کے ڈر نے آپ کو پورے بازار سے غافل رکھا' اسی طرح اگر یہ پیشِ نظر رہے کہ اللہ نے ہمارے ذمے کیا کام لگا رکھا ہے اور قیامت کے دِن بد نظری کرنے پر جوتے لگنے کا بھی اندیشہ ہو تو پھر کیسے بد نظری ہو سکتی ہے!!!

میرے عزیزو! اگر ہمیں اللہ کی پکڑ کا ذرا خیال آجائے نا تو یہ سب کام آسان ہیں۔ اللہ میاں ہمیں اس چیز کا مکلّف اور ذمہ دار بناتے ہی نہیں جس کام کی اس نے ہم میں طاقت نہ رکھی ہو۔ اللہ پہلے طاقت رکھتا ہے' پھر کہتا ہے کہ اس کام کو کرو۔ یہ بھی اللہ میاں کو پتا تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا اور پھر بھی ہم سے کہا کہ یہ کرنا ہے تو معلوم ہوا کہ ہمارے اندر ان کاموں سے بچنے کی طاقت ہے۔

اگر یہ بھی آدمی سے نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تو کر سکتا ہے کہ اس پر افسوس و ندامت کا اظہار اپنے رب کے حضور کرے۔ مسلسل روزے نہیں رکھ سکتے' راتوں کو قیام نہیں کر سکتے' علم دین حاصل کرنے کی قدرت نہیں' اس پر افسوس کرتا رہے اور ان کاموں کے کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ آپ دنیا بھر کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ کوئی تعلیم تھوڑی ہے' تعلیم کا مطلب علمِ دین ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو اس پر افسوس تو کرے' حافظ نہیں تو اس پر افسوس تو کرے۔ جس کو افسوس بھی نہیں تو وہ کامل مومن نہیں۔ اس کا دل مردہ ہے' جس کو نیکی نہ کرنے پر افسوس بھی نہیں یا اپنے سے بڑے نیک کو دیکھ کر حسرت نہیں پیدا ہوتی وہ دین دار نہیں۔

میرے عزیزو! اگر اپنے سے اچھے دین دار کو دیکھ کر دل میں یہ حسرت پیدا نہ ہو تو یہ مومن کیسا ہے؟ حافظ نہیں بنے' علمِ دین نہیں سیکھا تو کم از کم حسرت تو کرو۔ یہ بھی ایمان کی نشانی ہے۔ تو اسی طرح اگر ہم ہر گناہ سے نہیں بچ سکتے تو کوشش تو کر سکتے ہیں۔ یہ تو اپنے اختیار میں ہے۔ اس سچے افسوس کا درجہ اتنا بڑا ہے کہ بسا اوقات یہ کرنے والوں کے برابر جیسا ثواب دلا دیتا ہے۔ سچی حسرت اتنی بڑی چیز ہے کہ اللہ اِس آدمی کو اس نیک آدمی جتنا مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔

مومن کی مثال حسرت نایاب کی ہے' لیکن اگر اس میں بھی غلو آجائے تو وہ برا ہے۔ غلو دین و دنیا کے ہر کام میں برا ہے۔ حزن و ملال تو چاہیے مگر اعتدال کے ساتھ۔ اتنا ملال بھی نہ ہو کہ اس کی صحت پر اثر پڑے یا مایوس ہو جائے۔ حسرت بھی ہو' افسوس بھی ہو' لیکن اتنا بھی نہیں کہ انسان بیمار ہی پڑ جائے یا مایوس ہو جائے کہ یہ تو میں کر ہی نہیں سکتا۔

ہمارے اختیار میں تو ہے نہیں کہ ہمارے گناہ معاف ہو جائیں۔ ہاں! ہم معافی کی کوشش تو کر سکتے ہیں نا۔ اسی طرح گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنا ہمارا کام ہے' پھر مدد اللہ کا کام ہے۔ ہم اس کوشش میں کوتاہی نہ کریں۔ پھر ان شاء اللہ' اللہ بڑی سے بڑی نیکی کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ تو میرے عزیزو! تقویٰ کی آسان صورت یہی ہے کہ گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش تو کریں کہ ہر گناہ سے بچنا ہے۔ اللہ ہمیں گناہوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

"دے رہا ہوں' کیا گاڑی نکل رہی ہے"

یہ جملہ تھا ایک متوسط طبقے کے ہوٹل کے بیرے کا' جب گاہک نے آرڈر دینے کے بیس منٹ بعد کھانے کا پوچھا۔ گاہک بے چارہ اس بن بلائی' بے عزتی پر دنگ رہ گیا' اس نے آرڈر کے مطابق پیسے ٹیبل پر رکھے اور بغیر کھائے وہاں سے چلا گیا۔ ہوٹل کے مالک اور بیرے نے مل کر بعد میں خوب قہقہے لگائے کہ ایسے اور بے وقوف پیدا ہو جائیں تو بزنس خوب چلے گا۔ کچھ لوگ زیرِ لب مسکرا دیے تو کچھ نے اخلاقی مفلسی کے اس جرم کو بھی پاکستان کے کھاتے میں ڈال کر تسلی پائی' مگر ایک عبداللہ جسے ہر ایسے واقعے پر سوچنے کی بیماری تھی' اس سے یہ واقعہ بھی چپک گیا

کچھ لوگوں کے دل و دماغ میں سوال نہیں اٹھتے' ان کی سوچ کی زمین بنجر ہو چکی ہوتی ہے

ظلم اور جہالت سفیدے کی وہ بوری ہے جو زرخیز سے زرخیز زمین کو بھی بنجر بنا دیتی ہے'

تو کچھ لوگوں کی حساسیت اور گداز دل اس زمین کو وہ کھاد پہنچاتا ہے کہ سوالوں کی فصل پر فصل پکتی چلی جاتی ہے

عبداللہ کا بھی یہی حال تھا' وہ سوچنے لگا کہ تمیز کہتے ہیں کسی کام کو اس کے منصب کے مطابق احسن طریقے سے انجام دینے کو' مثلاً اگر ہم کہیں کہ فلاں شخص کو کھانے یا بات کرنے تک کی تمیز نہیں تو اس کا مطلب ہو گا کہ وہ شخص مذکورہ کام کرنے کے طریقے' عرف و منصب سے واقف نہیں' ایسے لوگوں کو تھوڑی سی تربیت اور علم سے سکھایا جا سکتا ہے' مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ عموماً بد تمیز وہ شخص ہوتا ہے' جسے کام کا صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہے' مگر وہ اپنے غصے' اپنی انا' ہٹ دھرمی یا جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر اس کے بالکل برعکس عمل کرتا ہے

ایسا کرنے میں وہ سامنے والے کا دل دکھاتا ہے جو کہ خود بڑا گناہ ہے'

اپنی نیکیاں اس کے نام کرتا ہے جو سراسر بے وقوفی ہے اور دنیا کا بھی نقصان کرتا ہے کہ بد تمیز آدمی سے کوئی شخص تعلق رکھنا یا لین دین نہیں چاہتا

حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی زبان و ہاتھ کے شر سے محفوظ رہنا چاہیے

یہاں تک تو ہم سب کو پتا ہے' مگر نجانے کس نحوست نے گھیر رکھا ہے کہ ہمارا علم ہمارے عمل میں نہیں بدلتا۔ کیا فائدہ ایسے علم کا جس کی جھلک اعمال میں نہ آجائے

بد تمیزی کا ایک پہلو اور بھی ہے جس پر سوچنا چاہیے' وہ یہ کہ آپ بد تمیز آدمی کی بد تمیزی کا جواب کیسے دیں گے

اگر آپ نے بھی جواب میں بد تمیزی کی تو اس میں اور آپ میں فرق کیا بچا؟

ذرا غور کریں! اس کے بد تمیز ہونے اور آپ کے مہذب ہونے کی وجہ بالکل ایک ہے اور وہ یہ کہ آپ نے کسی اور ماحول میں پرورش پائی ہے

ہر وہ لمحہ جب آپ کے پاس کوئی بڑا' استاد یا تربیت کرنے والا موجود تھا' اس کے پاس نہیں تھا۔ ہر ہر وہ لائن یا نقطہ جو آپ پڑھ پائے' اسے نصیب نہ ہوا ہر ہر وہ سہولت' دولت' اثر و رسوخ' علم' قابلیت' حافظہ' توفیق' نیکی' صحیح راستہ اور درست انتخاب جو آپ کی زندگی میں ہوتا چلا گیا' اسے نہیں ملا

گنتے جائیں' کتنی نعمتیں گنیں گے گزشتہ زندگی میں؟ دوست احباب' والدین' ماحول۔ بجائے اس کے کہ آپ ان تمام چیزوں کا شکر ادا کریں

اور بد تمیز شخص کے حال پر رحم کھائیں اور دعا دیں' آپ نے بھی جواب میں ویسے ہی بد تمیزی کر کے کوئی فرق باقی نہ رکھا

خدا کے لیے کیا مشکل تھی کہ وہ آپ کے حالات اس کے حالات سے بدل دیتا یا اب بھی آپ کو دی جانے والی تمام نعمتیں اسے دے دے

اگر ہر شخص ہی کانٹے بچھائے گا تو چلنے کی جگہ کہاں بچے گی۔ مزید یہ کہ ہمیں پتا بھی نہیں ہوتا کہ سامنے والا کن حالات سے گزر رہا ہے' تھوڑا بہت تو لحاظ کرنا ہی چاہیے'

ابھی حال ہی میں ایک شخص ملا جو پہلے کسی دکان پر اور اب کسی مال میں رات کو گارڈ کی ڈیوٹی انجام دیتا ہے' کہنے لگا 19 سال ہو گئے رات کو نہیں سویا

اب بتائیں کتنی نعمتوں کو ہم گنتے ہی نہیں ہیں؟ شیخ سعدیؒ کہتے تھے کہ "زندگی بھر چراغ لے کر دو آدمی ڈھونڈے مگر نہ ملے'

ایک وہ جس نے ظلم کیا ہو اور اللہ کی پکڑ سے بچ گیا ہو' دوسرا وہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہو اور فقیر ہو گیا ہو۔"

آپ کی یہ تمام تر تمیز' آداب' شائستگی بھی اُسی کی دی ہوئی ہے' اُس کا شکر یہی ہے کہ لوگوں کی بد تمیزی برداشت کی جائے' اس سے حلم میں اضافہ ہو گا

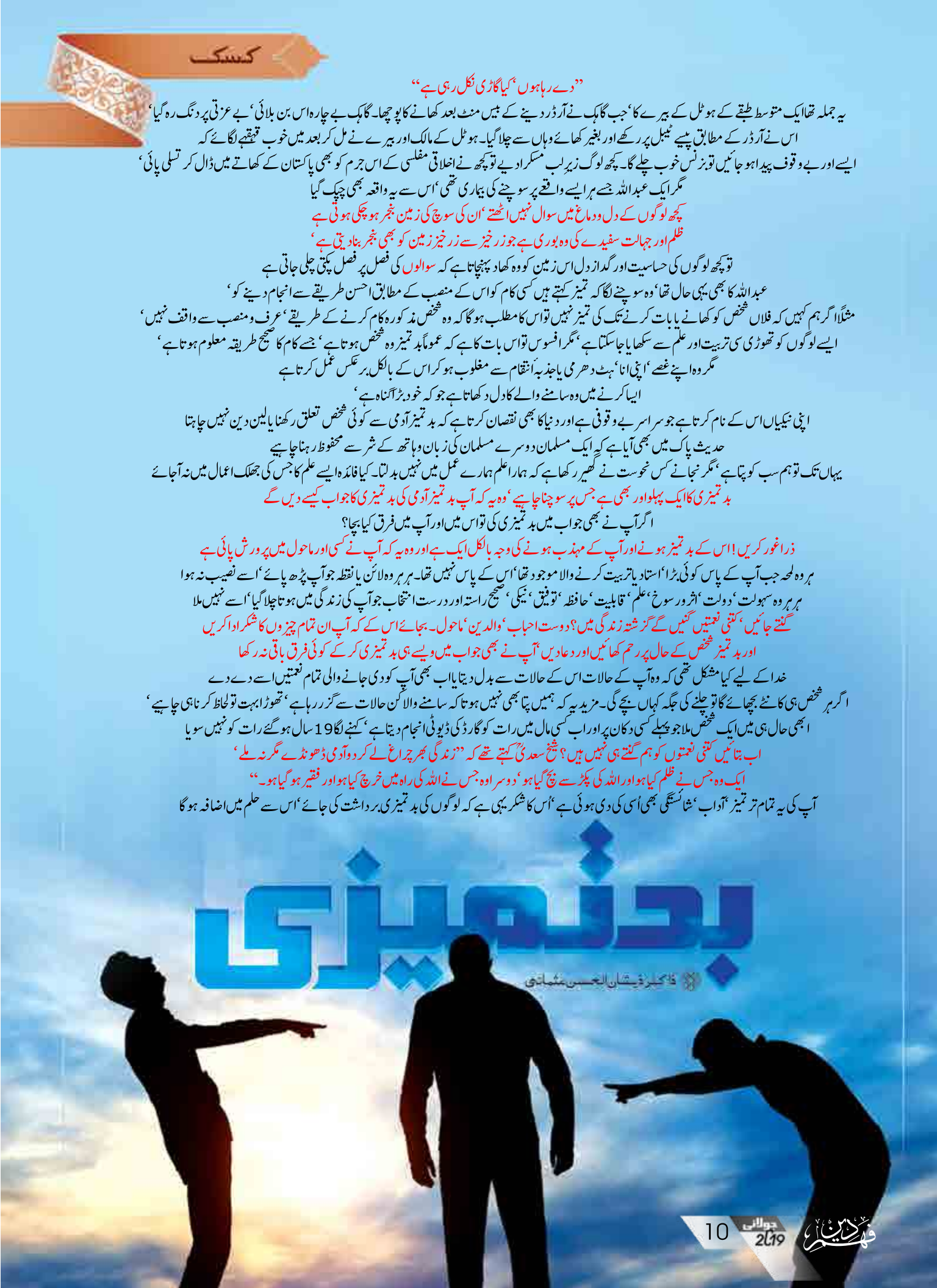

اب حج اور عمرہ کو باسہولت بنائیں

مدینے کی کھجور

ہم سے گھر بیٹھے منگوائیں

حجاج کرام کی خدمت میں ایس این ڈیٹس ایک قدم اور آگے

مدینے کی کھجور صرف ایک کال پر گھر بیٹھے منگوائیں

S.N. DATES

GOOD QUALITY

S.N. DATES

+92 303 2573777

info@sndates.com | www.sndates.com

روئے زمین پر سب سے افضل پانی

سید انور شاہ

زم زم کا پانی روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان اور لازوال نعمتوں میں سے ہے۔ اللہ پاک قیامت کے قریب تمام زمین سے میٹھا پانی خشک کر دیں گے، مگر زم زم کا پانی اس وقت بھی باقی رہے گا۔ (اِخبار للفاکہی) یہ دنیا کے تمام پانیوں سے افضل، عمدہ و اشرف ہے اور دنیا کے تمام پانیوں کا سردار پانی ہے اور دنیا بھر کے لوگوں کے لیے سب سے بہتر اور مرغوب بھی ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ زم زم کا پانی افضل ہے یا حوضِ کوثر کا؟ محققین کی رائے یہ ہے کہ زم زم کا پانی حوضِ کوثر کے پانی سے افضل ہے۔ یہی وہ عظیم چشمہ ہے جو حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے پر مارنے سے نکلا اور یہی وہ بابرکت اور مقدس پانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو پلایا تھا، یہی وہ پاکیزہ پانی ہے جس سے جنابِ کریم ﷺ کا دِل دھویا گیا۔

آبِ زم زم رب کی قدرت کا معجزہ: قدرت کا یہ معجزہ مسلمانوں کے لیے عظیم الشان تحفہ ہے، یہ مسلمان ہی سمجھ سکتا ہے۔ دورِ حاضر میں زم زم کی خوبیوں پر تحقیق جاری ہے لیکن آج بھی اطباء اور ماہرین حیران ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو کتنی خصوصیتوں، خوبیوں اور قوتوں سے نوازا ہے۔ زم زم میں ایسے مفید معدنیاتی عناصر و ادویاتی اجزاء شامل ہیں جن پر میڈیکل سائنس بھی حیران ہے۔ دنیا کا واحد پانی ہے جس میں بو پیدا نہیں ہوتی، نیز اس میں بھرپور غذائیت اور ہر بیماری سے شفاء بھی ہے۔ اس پانی کا ایک حیران کن کرشمہ یہ ہے کہ روزِ اول سے جاری و ساری ہے اور بالکل کمی نہیں آتی۔ جو لوگ مکہ مکرمہ کی سنگلاخ وادیوں، خشک ریتیلی ریگستانوں اور مضبوط چٹانوں سے واقف ہیں ان کے لیے یہ انتہائی باعثِ تعجب اور حیرانی کی بات ہے کہ جہاں دور دور تک آبی وسائل اور ذخائر موجود نہیں ہیں وہاں زم زم کا کنواں نہ صرف جاری ہے بلکہ اس کے پینے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس میں کوئی کمی نہیں آرہی ہے، بلکہ تمام لوگوں کو خوب سیر اب کر رہا ہے۔ حرمین شریفین میں موجود لاکھوں لوگوں کے علاوہ حجاج کرام اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے افراد اسے اپنے ساتھ پوری دنیا میں لے کر جاتے ہیں، یوں ہی زم زم کا پانی پوری دنیا کے لوگوں کو سیر اب کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آبِ زم زم اللہ تعالیٰ کا ایک زندہ جاوید معجزہ ہے، اور اس پر جب بھی اور جتنی بھی تحقیق کی جائے کم ہے، کیونکہ ہر مرتبہ انسان پر نئے حقائق آشکارا ہوتے ہیں اور مزید روشن پہلو اور حیرت انگیز فوائد سامنے آتے ہیں۔

آبِ زم زم میں نبی کریم ﷺ کے لعابِ مبارک کی برکت: یہ دنیا کا وہ واحد عظیم الشان بابرکت پانی ہے جس میں جناب نبی کریم ﷺ کے لعاب مبارک کی برکت موجود ہے، چنانچہ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ ”ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ زم زم کے کنویں کے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپ ﷺ کے لیے بیرِ زم زم میں ڈول ڈال کر آپ ﷺ کی خدمت میں زم زم کا پانی پیش کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کو نوش فرمایا، اور پھر اسی میں کلی فرمادی، پس ہم نے اسی ڈول کا پانی جس میں آپ ﷺ نے کلی فرمائی تھی زم زم کے کنویں میں ڈال دیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم آبِ زم زم کے کنویں سے از خود پانی نکالنے کے لیے غلبہ کرو گے تو میں اپنے ہاتھ سے پانی نکالتا“۔ (مسند احمد، وہو حدیث صحیح) آبِ زم زم کو خوب سیر ہو کر کثرت سے پینا مستحب اور ایمان کی علامت ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق کرنے والی نشانی یہ ہے کہ منافقین زم زم کو سیر ہو کر نہیں پیتے، لہٰذا تم جب زم زم کو پیو تو خوب سیر ہو کر پیا کرو۔“ (رواہ ابن ماجۃ و سنن الدار قطنی)

آبِ زم زم ہر بیماری کے لیے شفا: اللہ تعالیٰ کی رحمت کے انداز بھی بڑے عجیب اور نرالے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کتنا عظیم فضل اور رحمت ہے کہ اس نے آبِ زم زم میں ہر بیماری کی شفاء رکھ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت اور فضل سے آبِ زم زم کے ذریعے کتنے ہی لوگوں کو شفاء عطا فرمائی ہے، اور بے شمار اب بھی اللہ پاک کی اس عنایت سے مستفید ہو رہے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں

گے۔آب زم زم کی خوبیوں اور فضائل کے متعلق احادیث اور واقعات تو بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم اختصار کے پیشِ نظر صرف چند ذکر کریں گے جن سے اجمالی طور پر بہت سی خوبیاں اور فوائد ظاہر ہوتے ہیں۔

آب زم زم کی خوبیاں اور فوائد

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''روئے زمین پر سب سے بہترین پانی زم زم ہے، جس میں بعام کی طرح غذائیت بھی ہے اور مرض کے لیے شفاء بھی ہے۔'' (رواہ الطبرانی فی الکبیر) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ آب زم زم کو مختلف برتنوں اور مشکیزوں میں بھر کر لے جاتے اور مریضوں پر ڈالتے اور انہیں پلاتے۔''

(جامع الترمذی، وسنن البیہقی 202/5)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ''زم زم کا پانی ہر اس مقصد کے لیے کافی ہے جس کے لیے پیا جائے، جو شخص کسی مرض سے شفاء کے لیے پیے، اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دیتے ہیں اور جو بھوک کی وجہ سے پیے، اللہ تعالیٰ اس کا پیٹ بھر دیتے ہیں اور جو کسی اور ضرورت کے لیے پیے، اللہ تعالیٰ اس کی وہ ضرورت پوری فرماتے ہیں۔'' (رواہ المستغفری فی الطب عن جابر، الجامع الصغیر للسیوطی) تو معلوم ہوا کہ زم زم غذا، دوا اور ہر مقصد کے حصول کے لیے بے نظیر چیز ہے مگر اخلاص اور اعتقاد شرط ہے۔

امام حاکمؒ نے لکھا ہے کہ ابو بکر بن محمد بن جعفرؒ نے حضرت امام علامہ محدث ابنِ خزیمہؒ کے متعلق نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ عظیم الشان علم کس طرح حاصل ہوا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے، وہی فائدہ دیتا ہے۔'' میں نے جب بھی زم زم پیا، اللہ تعالیٰ سے علمِ نافع کا سوال کیا۔

(سیر اعلام النبلاء، 370/14)

امام علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حج سے فارغ ہونے کے بعد آب زم زم چند مقاصد کے لیے پیا، جن میں سے ایک خاص مقصد یہ تھا کہ میں علم فقہ میں امام سراج الدین بلقینیؒ کے مرتبہ کو پہنچوں، اور علم حدیث میں علامہ ابن حجر عسقلانی کے مرتبہ کو پہنچوں، اب میں بطورِ تحدیثِ نعمت کے اپنی اس دعا کی قبولیت کا اعتراف کرتا ہوں۔ (حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر والقاھرۃ، 1،328)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے طلب حدیث کے ابتدائی زمانہ میں حج کی سعادت کے موقع پر زم زم کا پانی پیا، اور پیتے وقت یہ دعا کی ''اللہ مجھے حافظ ذہبیؒ جیسے حافظہ عطا فرما۔'' تقریباً بیس سال بعد پھر دوبارہ حج کی سعادت نصیب ہوئی، اس وقت میں نے اس فن میں اپنی واقفیت امام ذہبیؒ سے کچھ زیادہ پایا، پھر میں نے زم زم پیتے وقت اس سے اونچا مرتبہ حاصل ہونے کی دعا کی، مجھے اللہ تعالیٰ سے اس کی بھی حصول کی امید ہے۔'' (فتح القدیر، 507،2)

امام المحدثین حضرت زین الدین عراقیؒ کے پیٹ میں ایک مرتبہ شدید تکلیف تھی، انہوں نے اس سے نجات کے لیے زم زم پیا، اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمادی، اور شفایاب ہوگئے۔ (شفاء الغرام) امام تقی الدین فاسیؒ نے ''شفاء الغرام'' میں لکھا ہے کہ شیخ احمد بن عبداللہ شریفیؒ نابینا ہوگئے تھے، انہوں نے آب زم زم بینائی واپس لوٹنے کی نیت سے پیا، پس ان کی بینائی واپس لوٹ آئی۔ س طرح کے سینکڑوں معتبر واقعات ہیں جن کی تفصیل کا موقع یہ نہیں۔

آبِ زم زم سے بچوں کی تحنیک: علامہ فاکہیؒ نے ''اخبارِ مکہ'' میں روایت کیا ہے کہ حبیب بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا کہ میں زم زم کے پانی کو مکہ مکرمہ سے کہیں دور لے جا سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا: ''جی ہاں!'' حضور اقدس ﷺ زم زم کو بوتلوں میں بھر کر لے جایا کرتے تھے، نیز حضور ﷺ نے زم زم کو عجوہ کھجور کے ساتھ ملا کر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی تحنیک بھی فرماتے۔

(اخبارِ مکہ للفاکہی: 5،2)

آبِ زم زم کے پینے کے آداب

علما کرام نے آب زم زم پینے کے متعدد آداب بیان کیے ہیں

1) شروع میں بسم اللہ پڑھنا 2) تین سانسوں میں پینا

3) سانس لیتے وقت برتن کو منہ سے ہٹالینا

4) قبلہ رخ ہونا 5) خوب سیر ہو کر پینا

6) دنیا وآخرت کی کوئی کوئی خوبی حاصل ہونے کی نیت کر کے پینا

آب زم زم کھڑے ہو کر پیا جائے یا بیٹھ کر: اس مسئلہ میں علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ آب زم زم کو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے یا بیٹھ کر، ملا علی قاریؒ نے اپنی مناسک میں تخییر کا قول اختیار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: (ثم یأتی زمزم)أی بئرھا (فیشرب من ماءھا)أی قائماو قاعداً، پھر زم زم کے کنواں کے پاس آئے اور اس سے پانی پیے، چاہے کھڑے ہو کر پیا جائے یا بیٹھ کر۔ بعض حضرات نے کھڑے ہو کر پینے کو مستحب قرار دیا، کیونکہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا تھا، جبکہ بعض علما کرام نے بیٹھ کر پینے کو مستحسن قرار دیا ہے، بندہ کی رائے میں کھڑے ہو کر پینا زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال چونکہ دونوں طرف جلیل القدر علماء ہیں، لہٰذا کسی بھی طریقہ کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ایک ضروری وضاحت: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ آب زم زم جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے بشرطیکہ اخلاص اور اعتقاد کے ساتھ پیا جائے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ جن لوگوں نے مختلف نیتوں سے پیا مگر ظاہری طور پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوئے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ زم زم پینے کا فائدہ نہیں ہوا، بلکہ زم زم پینے کا تو فائدہ ہی فائدہ ہے، مگر بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ مومن بندہ جو چیز اللہ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کبھی اس کو وہی عطا فرماتے ہیں جو اس نے مانگی ہے اور کبھی اس کے بدلے میں دوسری نعمت عطا فرما دیتے ہیں، یا اس کے بدلے کوئی بلا ٹال دیتے ہیں، یا اس کا اجر و ثواب آخرت میں محفوظ فرما دیتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں زیادہ جانتے ہیں کہ میرے بندہ کے لیے کیا بہتر ہے، ایسے ہی بعض گناہ بھی دعا کی قبولیت میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، جیسے حرام کی کمائی، والدین کی نافرمانی، کسی کی حق تلفی، قطع رحمی وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جس نیت سے پانی پی رہا ہے اس کو حاصل کرنے کا سبب بھی اختیار کرے اور یہ بھی دعا کے آداب میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آب زم زم کی قدر کرنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بدر: کھانے کے بعد ہم زیارتوں کے لیے سڑک پار چل دیے۔ سامنے کچھ فاصلے پر ایک ریت کا پہاڑ ہے، جس پر بدر کے دن حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کی فوج لے کر اُترے تھے۔ ان ملائکہ کے نزول کا ذکر اللہ نے فرقانِ حمید کی سورۃ انفال آیت : 9 اور سورۃ آلِ عمران آیت : 124 میں کیا ہے، حتیٰ کے آلِ عمران کی آیت : 123 میں اللہ نے بدر کا نام لے کر بھی کلام فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان قدّوسیوں کی ہیبت سے یہ پہاڑ نرم پڑ گیا تھا۔ ہم جہاں کھڑے تھے، وہاں ایک مسجد ہے، جو مسجد العریش کہلاتی ہے... یہ وہ جگہ ہے، جہاں بدر کی جنگ میں رسول اللہ ﷺ کا کیمپ قائم کیا گیا تھا۔ مسجدِ عریش کے ساتھ ہی ایک احاطہ ہے، جس سے نیچے اتر کر بدر کا تاریخی میدان ہے، جس میں حق و باطل کا وہ عظیم معرکہ لڑا گیا تھا، جس نے اسلام کی سطوت کے پرچم کو عرب میں بلند کیا اور مسلمانوں کی ہیبت کو کفار کے قلوب پر طاری کر دیا تھا۔ اس معرکے میں 313 نفوس پر مشتمل تقریباً نہتّے مسلمان فوج کے مقابلے میں جنگی ساز و سامان سے مسلح کفار فوج تین گنا زیادہ تعداد میں تھی۔ معرکے کے دن رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے عظیم دعائیں کی تھیں۔ ”اے اللہ! تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، اسے پورا فرما دے... اے اللہ! آج اگر یہ مٹھی بھر فوج ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا... اے اللہ! اگر تُو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے۔“

مہینہ رمضان کا، دن جمعہ کا اور سب سے بڑھ کر فریاد حضور ﷺ کی تھی... تو دعائیں کیسے قبول نہ ہوتیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب فرمائی۔ فرقانِ حمید نے 17 رمضان المبارک کو ”یوم الفرقان“ (حق و باطل میں فرق کرنے والا دن) کے نام سے موسوم کیا (سورۃ انفال : 41) اور قیامت تک کی تاریخ میں اسے یوں ہی یاد کیا جاتا رہے گا۔ بدر کا وہی میدان ہماری ان گناہ گار آنکھوں کے سامنے تھا۔ مدثّر نے ایک کنویں کی طرف اشارہ کیا، جس میں قتل کیے گئے کفار کو ایک کے اوپر ایک کر کے پھینک دیا گیا تھا۔ فرعونِ امت... ابو جہل بدبخت اور دیگر دشمنانِ اسلام و سردارانِ کفار بھی جن کی تعداد 70 تھی، اِسی کنویں میں پڑے ہیں۔ میدان میں کٹے ہوئے درخت موجود نظر آ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ اُسی زمانے سے ایسے ہی پڑے ہوں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میدان میں چل پھر کر دیکھوں، مگر اس وقت ممکن نہ ہو سکا۔ اللہ مجھے آیندہ کبھی یہ سعادت نصیب فرمادے۔ میدان کی عقبی جانب سڑک کے کنارے دیواریں بلند کر کے احاطہ بنایا ہوا ہے، جس کے اندر شہدائے بدر دفن ہیں۔ دیوار کے باہر ”مقبرہ شہدائے بدر“ کا بورڈ آویزاں ہے، جبکہ سڑک کے درمیان ایک مونیومنٹ پر ان شہید اصحابِ رسول ﷺ کے مبارک نام درج ہیں، جن کی تعداد 14 ہے۔ احاطے کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا، جو بند پڑا رہتا ہے۔ مدثّر نے ایک جگہ دیوار کے سائے میں رکھا ہوا ایک پتھر دکھا کر کہا کہ ”آپ لوگ اس پر پیر رکھیں تو دیوار کی اونچائی سے اندر کا منظر دیکھ سکتے ہیں۔“ چناں چہ میں نے اور خبیب نے ایسا ہی کیا۔ اندر شہدا کی قبور تھیں، مگر جا بجا اور قریب قریب کتبوں کی طرح چھوٹے چھوٹے پتھر زمین میں گڑے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے ہمیں ان 14 شہدا کی قبور کی نشان دہی نہ ہو سکی۔ ہم نے اِن ”افضل الشہداء“ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور کو ایصالِ ثواب کیا اور نیچے اتر آئے، پھر بدر کے ہی علاقے میں ایک مسجد میں نمازِ عصر ادا کی اور وہاں سے اپنی اگلی منزل ”بئرِ روما“ کی جانب روانہ ہوئے۔ میں ”یوم الفرقان فی البدر“ کے تصوّر میں محو تھا، جو کفر کی تاریکی کو چاک کرتا، صبح کے ستارے کی طرح افقِ عرب پر طلوع ہوا تھا۔

بئرِ روما: یہ مدینے سے تقریباً 90 کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ بئر ”کنویں“ کو کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا تھا۔ یہ کنواں آج تک چل رہا ہے۔ ہم پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ کنواں گہرا تھا

(جاری ہے)

قسط نمبر 6

مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

● جنید حسن

کیا آپ گھر میں پانی کی لیکیج اور چھت کی تپش سے پریشان ہیں؟

LAKHWA CHEMICAL SERVICES

A TRADITION OF TRUST

چھت کی تپش لیکیج کو بھول جائیں

باتھ روم، واٹرٹینک لیکیج سیپیج بغیر توڑ پھوڑ

WE PROVIDE SERVICES LIKE

- Roof Waterproofing
- Roof Heat Proofing
- Roof Heat Insulation
- Foundation Waterproofing
- Basement Waterproofing
- Water Tank Leakage Treatment
- Bathroom Leakage Treatment
- Water Tank Cleaning and many more.

WATERPROOFING.PK

Email: info@waterproofing.pk

Mobile: 0315-2220060

0334-2266273

Facebook: fb.com/lakhwachemicalservices

ازدواجی بندھن اور معاشرتی سوچ

محمد دانش

یہ عام مشاہدہ ہے کہ ہم لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کے سلسلے میں مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ظاہری شان و شوکت اور چمک دمک پر فریفتہ ہوتے ہیں جن سے گھروں میں سامانِ زیست اور ہر قسم کی آسائشات تو میسر آجاتی ہیں لیکن رشتوں کی باہمی محبت 'اُلفت اور رشتوں کی مٹھاس سے ہم محروم ہو جاتے ہیں۔اگر رشتوں کا انتخاب ہم اسلامی شعار پر کریں تو میں سچ کہتا ہوں کہ باہمی محبت 'اُلفت اور رشتوں کی مٹھاس میسر ہو گی اور زندگی کا سفر انتہائی سکون و راحت سے بسر ہو گا۔

ہمارے بزرگوں کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے جہاں بچے بچیاں سنِ شعور کو پہنچیں' انہیں کردار سازی اور جینے کا سلیقہ وڈھنگ سکھانے کے لیے دینی تعلیم دلوائی جاتی اور جب وہ سن بلوغت کو پہنچتیں تو سورۃالنساء اور سورۃالنور کا ترجمہ اور تفسیر پڑھائی جاتی۔اکثر رُخصتی کے وقت بچیوں کو ہدایت دی جاتی کہ سسرال میں بھی یہ سورتیں مطالعہ میں رہیں تاکہ سسرال میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں اور سسرال میں کسی کو شکوہ وشکایات کا موقع ہی نہ مل سکے۔

ہمارے نفسیات کے پروفیسر اکثر کہا کرتے تھے کہ شادی دو ذہنوں کا ملاپ ہے 'لیکن والدین ظاہری شکل وصورت اور شان وشوکت کو دیکھ کر رشتے طے کر دیتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شادی کے چند ہی دنوں بعد آپس میں چپقلش اور ناچاقیاں شروع ہو جاتی ہیں جس کا عمر بھر پچھتاوا رہتا ہے۔

رشتے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا وہ تاریخی واقعہ بھلایا نہیں جاسکتا جب آپؓ رات کے وقت گشت کر رہے تھے اور ایک گھر سے ماں بیٹی کے درمیان دودھ میں پانی ملانے پر تکرار ہو رہی تھی اور بیٹی پانی ملانے سے انکار کر رہی تھی۔ماں نے کہا کہ اس وقت خلیفۃالمومنین تو نہیں دیکھ رہے۔اس پر بیٹی نے جواب دیا کہ خلیفہ نہیں دیکھ رہے تو کیا ہوا لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے۔حضرت عمرؓ بیٹی کے اس جملے سے بہت متاثر ہوئے اور بیٹی کے اللہ پر اس بڑھیا ایمان کی قدر کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے اس لڑکی کا نکاح کر دیا۔رشتے کے سلسلے میں ایک دین دار خاتون نے حجاب میں رہ کر ازدواجی بندھن میں بندھنے کے لیے کس حکمت عملی سے کام لیا یہ دل چسپ اور سبق آموز واقعہ ملاحظہ ہو۔

''بہنوں کی شادیوں کے فرائض سے سُبکدوش ہوتے ہوتے میں خود عمر کے اُس حصے میں پہنچ چکا تھا کہ وہ لوگ جو اس انتظار میں رہتے کہ ایک بار میری والدہ کے منہ سے ''ہاں'' نکلے اور وہ ہم سے تعلق داری جوڑ لیں میرے دائیں بائیں گھوم کر میرے سر اور میری توند کا جائزہ لیتے محسوس ہوتے اُن کا بس چلتا تو میرے سامنے انگلیاں نچا کر' میرے بال نوچ کر یا بتیسی پر مکا مار کر دیکھتے کہ کہیں میری نظر تو کمزور نہیں یا میرے بال ودانت نقلی تو نہیں۔میری بہنیں بھی جب کسی لڑکی کو اسی سطحی معیار پر جا کر پرکھتیں تو میرا دل معاشرے کی بے حسی اور اخلاقی زوال پر بہت کُڑھتا۔انہی سطحی باتوں پر انکار سنتے اور کرتے میں اتنا بیزار ہوا کہ میں نے گھر والوں کو سختی سے منع کر دیا کہ میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں اور آئندہ کوئی بھی اس سلسلے میں نہیں آئے گا' مگر گھر والوں کے علاوہ تائی' چچی' خالہ' مامی' پھوپھی اور ان کی سہیلیاں سب مشترکہ طور پر میری شادی کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں۔میں دوڈھائی

برس تک اپنی ضد پر اڑا رہا۔ والدہ کبھی کبھی ڈھکے چھپے الفاظ میں جیون ساتھی اور خانہ آبادی کی ضرورت پر بات کرتیں تو میں ٹال جاتا۔ بہنیں دبے لفظوں میں والدہ کے ضعف اور گھر گرہستی سنبھالنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلاتیں، مگر میرے تیور دیکھ کر دبک جاتیں۔ غرض یہ کہ نہ انہوں نے وار کرنا چھوڑا، نہ میں نے اپنی ضد ختم کی۔ یہاں تک کہ میرے دوست جاذب نے مجھے جذباتی بنیادوں پر مات دے کر شادی کرنے پر قائل کر لیا۔ مگر اس کے بعد جن بنیادوں پر مجھے ٹھکرایا گیا یقین جانیے پہلی باریوں ٹھکرائے جانے میں بھی بڑا لطف محسوس ہوا۔

ایک دن جاذب مجھ سے کہنے لگا کہ ہمارے جاننے والوں میں ایک بیوہ خاتون ہیں اس کی بیٹی گو کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے مگر اس کی شادی کی عمر نکل چکی ہے۔ بیوہ ماں چاہتی ہے کہ اس کے دنیا سے رُخصت ہونے سے پہلے اس کی بیٹی کو کوئی اپنا لے اور مجھ سے درخواست کرنے لگا کہ چونکہ میں غیر شادی شدہ ہوں اور کبھی نہ کبھی تو شادی کرنی ہی ہے تو پھر کیوں نہ اس لڑکی کو اپنا لوں۔ جس کے ساتھ شادی کرنے کے بعد عمر بھر مجھے اس لاوارث کو سہارا دینے اور بیوہ ماں کا بوجھ بانٹنے کا ثواب ملتا رہے۔ وہ لڑکی بھی نہایت فرمانبرداری کے ساتھ میرے پیر دھو کر پیئے گی وغیرہ وغیرہ۔ دوست کا مان رکھنے کے لیے میں نے ہامی بھر لی اور کہا کہ میری والدہ کو ساتھ لے جانا تاکہ وہ ان سے مل کر باقی معاملات طے کر لیں، کیونکہ حتمی فیصلہ تو انہوں نے ہی کرنا ہے۔ جاذب مُصر تھا کہ اس بیچاری بِن باپ کی بچی کو قطعاً مسترد نہ کروں۔ کیونکہ جب اللہ کو راضی کرنے کے لیے کسی پر ترس کھایا تو پھر دنیاداری کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ لڑکی جیسی بھی ہے ہمیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔

جاذب کے اس قدر اصرار نے ان کی بے بسی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ میرے ذہن میں اس لڑکی کا عکس بیٹھ گیا۔ گھر پہنچ کر میں ابھی والدہ سے بات کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ پھر جاذب کا فون آگیا مجھے اس پر غصہ آیا کہ اب بھی کوئی کسر باقی ہے! یا وہ یہ چاہ رہا ہے کہ میں لڑکی بیاہ لاؤں اور اپنی والدہ سے کہوں کہ یہ لیجئے یہ ''بیچاری'' آپ کی بہو ہے۔ بادلِ نخواستہ میں نے فون اُٹھا لیا تو جاذب کی بات سُن کر حیران رہ گیا وہ بتا رہا تھا کہ موصوفہ خود مجھ سے ملنا چاہتیں ہیں۔ مجھے اشتیاق ہوا ایسی لاچارگی کے عالم میں جو جاذب بتا رہا تھا کہ کوئی لڑکی رشتہ مل جانے پر ہی صد شکر کرتی۔ اُلٹا اس نے مجھ سے ملنے کا تقاضا کر دیا۔ اس تجسّس کے تحت میں اس سے ملنے پر راضی ہو گیا اور جاذب کے ساتھ اس سے ملنے چلا گیا۔

چھوٹا سا گھر صاف ستھرا اور خاتونِ خانہ کی سلیقہ مندی کا مظہر تھا۔ مہمان نوازی اور خاطر مدارات کے بعد وہ موصوفہ کمرے میں تشریف لائیں۔ حجاب میں ملبوس نہایت باوقار اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگا کہ آخر جاذب نے اس قدر باوقار لڑکی کا ایسا بھونڈا تعارف کیوں کروایا۔ اس کے سامنے واقعی مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ خود ہی مخاطب ہوئی ''دراصل میں صرف آپ سے دو تین سوال پوچھ کر تسلی کرنا چاہتی ہوں کہ ہم اچھے اور ذمہ دار ساتھی ثابت ہو سکتے ہیں یا نہیں؟'' میرے ذہن میں ابھی بھی ایک ہی سوال تھا کہ ایسی دلکش اور جاذب نظر لڑکی کی شادی میں تاخیر کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کچھ دیر کمرے میں بالکل خاموشی رہی پھر وہ محترمہ خود ہی خاموشی توڑتے ہوئے کہنے لگیں ''جو سوال آپ کے ذہن میں گردش کر رہا ہے پوچھ لیں'' میں کھسیانہ سا ہو گیا مگر اب میں نے خود پر کافی حد تک قابو پا لیا تھا۔ سو میں نے اس کی ذہانت سراہنے کے انداز میں کہا ''اگر آپ نے ذہن پڑھ لیا ہے تو بنا پوچھے ہی جواب دیں۔ وہ کہنے لگی: ''میں اُن لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو شادی کو زندگی کا حاصل یا مقصد سمجھتیں ہیں اور نہ ہی میں کسی امیر کبیر شہزادے کے انتظار میں ہوں میرے ذہن میں چند سوالات ہیں جو ان کے جواب دے دے میں اس کے ساتھ بخوشی زندگی گزارنے پر تیار رہوں گی۔''

''جی پوچھیے!'' میں نے خوش دلی مگر ذرا لاپرواہی سے اجازت دی کہ میں اس ندامت سے بے خبر تھا جو اس اجازت کے بعد ہونے والی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری آمدنی، افراد خانہ یا ہو سکتا ہے کہ گھر الگ کرنے کا تقاضا کرے وغیرہ وغیرہ۔ وہ کہنے لگی انسان ہونے کے ناطے آپ اور میں دونوں ہی اشرف المخلوقات ہیں۔ مرد ہونے کے ناطے آپ افضل ترین مگر اللہ کے نائب ہم دونوں ہی ہیں۔ نائب ہونے کی حیثیت سے آپ مالک کی ننانوے صفات میں سے کتنی صفتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یکدم تو مجھے سوال کی نوعیت ہی سمجھ نہ آئی اور نہ ہی ننانوے صفات کی! وہ پھر گویا ہوئی: ''آپ کا اور میرا جو تعلق بننے جا رہا ہے لوگ اس میں مرد کو ''مجازی خدا'' کا نام دیتے ہیں تو پھر جس کو مجازی خدا کے منصب پر سرفراز کرنا ہے وہ اپنے اللہ کی صفات پر عمل بھی کرتا ہو''۔ اس نے ادائے بے نیازی سے بھنویں اچکا کر کہا مجھے بالکل سمجھ نہ آئی کہ میں کیا جواب دوں۔ میرا ردِ عمل اس کے لیے نہایت غیر تسلی بخش تھا۔ جواب نہ پا کر وہ کچھ دیر خاموش رہی۔

پھر دوسرا سوال یوں داغا ''میں ذاتی طور پر سمجھتی ہوں کہ سورۃ الممتحنہ میں مذکور وہ باتیں جن پر رسول اللہ ﷺ کو خواتین سے بیعت لینے کا کہا گیا ہے وہی باتیں کسی عورت کو جیون ساتھی بنانے کا معیار ہونی چاہیں، کیا آپ وہ باتیں جانتے ہیں؟'' میری پیشانی سے پسینے کے ننھے ننھے قطرے پھوٹ پڑے کیونکہ عام لوگوں کی طرح میں نے ناظرۃ قرآن پڑھا تھا، قرآن میں اتنی گہرائی تک میں گیا ہی نہیں تھا۔ میری حالت اس طالب علم جیسی تھی جو بغیر تیاری کے امتحان میں جا بیٹھا ہو۔ اس نے طویل خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

''میرے والد صاحب نے مجھے دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن کی بھی تعلیم دلوائی ہے، جس کے لیے میں ان کی مشکور رہوں گی۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی خواتین کو سورۃ النور کی تعلیم دو اور اپنے مردوں کو سورۃ المائدہ کی، مگر اب میں تیسرا سوال کر کے آپ کو مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتی''۔

یقین جانیے اس وقت میں بالکل مٹی کا ڈھیر تھا۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور سپاٹ لہجے میں کہنے لگی: ''جس کے آپ نائب ہیں نہ آپ کو اس کی طرف سے عطا کردہ فضیلت کا احساس ہے اور نہ ہی اس کے احکامات کا علم؟ معذرت کے ساتھ میں آپ کو اپنے

مجازی خدا کا منصب کیسے سونپ سکتی ہوں"۔ اتنا کہہ کر وہ مجھے وہیں بیٹھا چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی۔

موصوفہ کی پُراثر اور مدلّل گفتگو نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ دو تین مرتبہ ایسا ہوا کہ میرے رشتے کی بات چلی مگر دو طرفہ ملاقاتوں میں کبھی لڑکی والوں نے اور کبھی میری والدہ نے روایتی وجوہ کی بنا پر ایک دوسرے کو مسترد کر دیا۔ مگر یوں عقلی اور علمی محاذ پر بذات خود کسی لڑکی کی طرف سے مسترد ہونے کا تجربہ انوکھا ہی تھا۔ گھر آکر بھی وہ میرے اعصاب پر چھائی رہی۔ نا چاہتے ہوئے بھی لاشعوری طور پر میرا دھیان اس کی طرف چلا جاتا۔ دل میں اس کی عقل و دانش، علم اور اس پر عمل سے متاثر تھا۔ مگر وہ تو یک بیک مجھے مسترد کر چکی تھی۔ اب تعلق جوڑنے کے لیے کوئی صورت ہی باقی نہ تھی۔ جاذب سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ شاید وہ بھی مجھ سے ملنے سے کترا رہا تھا۔

میں یہ بھی سوچتا کہ کتنی ہی لڑکیاں ایسی ہوں گی جو نامکمل تعارف کی وجہ سے یا اپنی سوچ اور مطالعہ کے اظہار کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے کھونٹے کی گائیوں کی طرح میکے سے ایسے سسرال گئی ہوں گی جن کی وہ حق دار نہ ہوں گی یا یونہی بن بیاہی بیٹھی ہوں گی۔

کچھ دن تو یونہی بے چینی کے عالم میں سوچتا رہا کہ تعلق جوڑنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ انمول چیزوں کی ناقدری اور نعمتوں کے چھن جانے کا جو احساس مجھے اس وقت ہوا پہلے کبھی نہ تھا۔ ہر وقت مجھے دھڑکا لگا رہتا کہ کوئی شخص اس کو مجھ سے اُچک کر نہ لے جائے۔ اچانک میرے ذہن میں آیا کہ میں بھی کتنا احمق ہوں اتنے دن یونہی ضائع کر دیے۔ سوال نامہ تو اب میرے سامنے تھا اور جواب بھی میں قرآن کریم سے حاصل کر سکتا تھا میں نے فوراً وضو کیا، عشاء کی نماز ادا کی اور قرآن حکیم کھول کر سورۃ الممتحنہ کا ترجمہ پڑھنے لگا۔ میری والدہ جو تین چار دن سے میری بے کلی اور پریشانی دیکھ رہیں تھیں، آخر پوچھ ہی بیٹھیں: "خیر تو ہے بیٹا! آج کل تم کچھ اُلجھے اُلجھے اور پریشان سے دکھائی دے رہے ہو؟"

ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے میں نے اپنی طرف سے ایک سوال داغ دیا: "امی جان! دین میں خاتون سے شادی کرنے کا کیا حکم اور معیار ہے؟" ماں کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی وہ سمجھیں کہ شاید پتھر دل پگھل رہا ہے۔ کہنے لگیں حکم تو یہی ہے کہ جتنی جلدی ہو شادی کر لینی چاہیے۔ معیار کے معاملے میں مجھے ایک حدیث یاد آرہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مرد شادی کرتے وقت عورت میں چار خوبیاں مدّ نظر رکھتا ہے۔ عورت کا حسن، مال و دولت، خاندانی نسب اور دینداری۔ مگر دیندار خاتون سے شادی کرنا سب سے بہتر ہے۔"

میرے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا: "امی جان! کچھ دن پہلے میں ایک لڑکی سے ملا۔ اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ سلجھی ہوئی سلیقہ مند کہ۔۔۔!"

"تم کس سلسلے میں ملے تھے؟" ماں کا ماتھا ٹھنکا۔ پہلے تو میں بات بدلنے لگا مگر نا جانے کیوں میں نے سب سرگزشت سچ سچ بتا دی کہ ایک صاحبِ علم سے اپنی کم علمی اور بے دینی کی وجہ سے مسترد ہو کر آیا ہوں اور اب سمجھ نہیں پا رہا کہ معاملہ کی بہتری کی کیا صورت ہو سکتی ہے، کیونکہ اب شادی کروں گا تو اسی سے ورنہ کسی سے نہیں۔

پہلے تو والدہ مجھ سے ناراض ہو گئیں کہ تم مجھ سے بالا ہی بالا معاملہ طے کرنے چلے گئے میں نے انہیں مناتے ہوئے کہا کہ آپ اس سے مل کر تو دیکھیں آپ بھی اس کی گرویدہ ہو جائیں گی۔ چنانچہ میری والدہ اور میں جاذب کے ساتھ پھر قسمت آزمائی کے لیے ان کے گھر گئے۔ اسی موصوفہ نے دروازے پر ہمارا استقبال کیا جو اس دن بھی بارُعب لگ رہی تھی وہ مجھے اور میری والدہ کو دیکھ کر شرما گئی۔ اس کی والدہ بھی ایک مثالی خاتون تھی۔ اُن سے مل کر احساس ہوا کہ وہ اچھی تربیت کرنے والی ماں ہیں اور وہ میری والدہ کو بتانے لگیں۔

"ہم دونوں میاں بیوی نے اپنی اکلوتی بیٹی کی تربیت ایسی کی ہے کہ اس میں خود اعتمادی، دوسروں کا احترام، قناعت اور حق کا ساتھ دینے جیسی خوبیاں ہوں۔ میں نے کبھی اس کے سامنے شادی میں تاخیر ہونے کی پریشانی کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ہر کوئی مجھے میری بیوگی کا اور اس کی شادی کرنے کی ذمہ داری کا احساس دلاتا مگر میں نے اپنی بچی پر اس کا منفی اثر نہیں پڑنے دیا۔" دونوں والدائیں اپنی اپنی مشترکہ اور ایک جیسی مشکلات پر بھی گفتگو کر رہی تھیں۔ میں ان کی باتیں سن کر اپنا اور اپنی والدہ کا ان سے موازنہ اور اپنا احتساب بھی کر رہا تھا کیونکہ ہم نے بھی ایسے ہی حالات میں تین لڑکیوں کی شادیاں کی تھیں، مگر ان جیسے معیار اور پیمانے کا خیال نہیں رکھا تھا۔ صرف اس ڈر سے کہ بروقت شادی کرنا ضروری ہے، ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔ موصوفہ کی والدہ نے مزید کہا کہ میں یہی سوچتی کہ اللہ نے جو شخص میری بیٹی کے لیے منتخب کیا ہو گا وہ ضرور اس کا ہاتھ تھامنے آئے گا کیونکہ اللہ نے نبی کریم ﷺ سے بھی فرمایا تھا۔ "اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ○ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ○" تو پھر میری بیٹی کو اور مجھے وہ کیوں تنہا چھوڑے گا۔ ہم تینوں ان کی باتوں پر سر دھنتے رہے اور ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔

ایک سادہ مگر پُر وقار تقریب میں ہمارا نکاح ہو گیا۔ ایجاب قبول اور مہر کا تقرر بھی اپنی مثال آپ تھا۔ جو خود میری ہونے والی بیوی نے طے کیا تھا۔ اُس کا خیال تھا مہر کی رقم اتنی زیادہ نہیں ہونی چاہیے کہ خود عورت کے لیے مشکل کا باعث بن جائے۔ لہٰذا اس نے ایک ماہ کی آمدنی سکہ رائج الوقت مہر رکھا اور ادائیگی کی دو صورتیں کہ اگر "خدانخواستہ وقتِ ضرورت میں برسرِ روزگار ہوا تو اس وقت کی آمدنی اور اگر بے روزگار ہوا تو وقتِ نکاح کی آمدنی یعنی جو آمدنی اُس وقت ہے وہ مہر ہو گا۔ پھر جب نکاح خواں نے پہلی بار "قبول ہے" پوچھا تو کہنے لگی "قبول ہے تنگی و خوشحالی دونوں صورتوں میں" دوسری بار پوچھا تو کہنے لگی "قبول ہے خوشی غمی اور دکھ تکلیف دونوں حالتوں میں" اور تیسری بار یوں کہا کہ قبول ہے تمام تر خوبیوں اور خامیوں سمیت۔" کیا ہی جامع قبولیت اور اپنایت تھی۔ سب دلہن پر نہال ہو گئے۔ یوں میری شادی جو تمام خاندان کے لیے ایک معمہ اور سوال بن چکی تھی۔ "بخیر و خوبی" انجام پائی اور آج ہم ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

NEW

Zaiby Jewellers

CLIFTON

ARTISAN CRAFTED

FINESSE

A **trusted name** in jewellery since 1974

newzaibyjewellers@gmail.com

021 35835455, 35835488

S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Karachi

newzaibyjewellers

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

شادی کے بعد عورت اپنے میکے میں قصر کرے گی

سوال: ایک عورت جس کا وطنِ اصلی کراچی ہے اور اس کے والدین اور دیگر عزیز رشتہ دار کراچی ہی میں مقیم ہیں۔ اس کی شادی ملتان میں ہوگئی۔ رخصتی کے بعد جب یہ عورت پندرہ دن سے کم مدت کے لیے اپنے میکے کراچی جائے گی تو آیا وہ وہاں مسافر شمار ہوگی اور نمازوں میں قصر کرے گی یا مقیم شمار ہوگی؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں یہ عورت مسافر شمار ہوگی اور نماز قصر پڑھے گی۔

غصہ کی حالت میں بیوی کا نام لیے بغیر طلاق دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص مثلاً زید نے اپنی بیوی پر کسی بات پر شدید غصہ آنے کی وجہ سے یہ کلمات کہے ہیں: ''طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق'' اور اس نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا: نہ اس نے اپنی بیوی کا نام لیا اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا اور نہ وہ اس جگہ اور اس موقع پر موجود تھی، جس وقت زید کا غصہ ختم ہوا وہ فوراً اپنی بیوی کو گھر لے آیا۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ آیا اس صورت میں بھی طلاق واقع ہوگی، جبکہ آدمی غصہ کی حالت میں ہو، نیز اس نے اپنی بیوی کا نام بھی نہ لیا ہو، نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہو اور نہ ہی وہ اس موقع پر وہاں موجود ہو؟

جواب: واضح رہے کہ اگر کوئی شادی شدہ عاقل بالغ آدمی ہوش و حواس کی حالت میں طلاق کے کلمات ایک، دو یا تین مرتبہ کہتا ہے تو اسی کے بقدر اس سے بہر حال طلاق واقع ہو جاتی ہے، خواہ طلاق دینے کی نیت ہو یا نہ ہو، خواہ عمومی غصہ کی حالت ہو یا مزاح کی حالت ہو، خواہ بیوی کا نام لے یا نہ لے۔

صورتِ مسئولہ میں چوں کہ سائل کے دل میں اپنی ہی بیوی کو طلاق دینے کا قصد تھا، اس لیے تینوں طلاقیں واقع ہو کر بیوی اپنے شوہر پر حرام ہوگئی، لہٰذا دونوں ایک دوسرے سے فوراً علیحدگی اختیار کریں۔

میک اپ کی حدود

سوال: ہماری خواتین اس بات پر بحث کرتی ہیں کہ انسان اپنی خوب صورتی کے لیے میک اپ کر سکتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ مذہبِ اسلام کی رُو سے خواتین کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ بحیثیت مسلمان میک اپ کریں: جس میں سرخی، پاؤڈر، نیل پالش شامل ہے۔ کیا اس حالت میں محفلِ وعظ میں شرکت کرنا، قرآن خوانی اور نماز وغیرہ پڑھنا صحیح ہے؟

جواب: عورت کے لیے ایسا میک اپ کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی فطری تخلیق میں تبدیلی کرنے کی کوشش ہو تو وہ جائز نہیں۔ مثلاً اپنی فطری اور خلقی بالوں کے ساتھ دوسرے انسانوں کے بالوں کو ملانا (ہاں انسانوں کے علاوہ دوسرے مصنوعی بالوں کا ملانا جائز ہے) اس کے علاوہ میک اپ فطری تخلیق میں تبدیلی کے مترادف نہ ہو تو وہ جائز ہے بشرطیکہ اس میک اپ کے ساتھ عورت غیر محرم مردوں کے سامنے نہ جائے، چناں چہ اس جائز میک اپ میں سرخی پاؤڈر شامل ہے، ہاں! البتہ ناخن پالش سے احتراز کیا جائے، کیوں

کہ ناخن پالش دور کیے بغیر نہ وضو ہوتا ہے اور نہ ہی غسل۔ ناخن پالش کو ہر وضو کے لیے ہٹانا کارِ مشکل ہے اور جب ناخن پالش کو ہٹائے بغیر وضو یا غسل صحیح نہ ہوگا تو نماز بھی نہ ہوگی' اس لیے ناخن پالش کی لعنت سے احتراز لازم ہے۔

اسلام میں منافع کی شرح کا تعین

سوال: میں جناب کی توجہ ایک انتہائی اہم مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں' جس کی وجہ سے آج کل عام لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی دکان دار کسی چیز پر جتنا زیادہ بھی منافع وصول کرے' آیا وہ شرعی طور پر درست ہے' مثلاً ایک کپڑے کا بیوپاری دس روپے گز کے حساب سے کپڑا خریدتا ہے' اسے تیس روپے گز میں فروخت کرتا ہے تو کیا اس طرح اصل قیمت سے دوگنا زیادہ رقم منافع کی صورت میں وصول کرنا درست ہے؟ یہی مثال میکینکوں کی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی گھڑی کسی میکینک کے پاس ٹھیک کروانے کے لیے جاتا ہے تو وہ میکینک گاہک کے انجانے پن کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے تیس چالیس روپے بٹور لیتا ہے' جبکہ اصل نقص چاہے دو چار روپے کا ہو اور گھڑی ٹھیک کرنے میں میکینک کا وقت چاہے دو چار منٹ ہی کیوں نہ صَرف ہو' تو کیا اس کی یہ کمائی جائز ہے؟ اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے اور اس طرح کسی کی ناجائز کھال اتارنے کی اجازت کبھی نہیں دے گا' اس لیے براہِ کرم یہ وضاحت کردیں کہ اسلام میں منافع کی شرح کے تعین کا کیا طریقہ کار ہے؟

جواب: واضح رہے کہ شریعت نے منافع کا تعین نہیں فرمایا' اتنا جائز ہے اور اتنا جائز نہیں' تاہم شریعت صریح ظلم کی اجازت نہیں دیتی (جسے عرفِ عام میں جَیب کاٹنا کہا جاتا ہے) جو شخص ایسی منافع خوری کا عادی ہو' اس کی کمائی سے برکت اٹھ جاتی ہے اور حکومت کو اختیار دیا گیا ہے کہ منصفانہ منافع کا ایک معیار مقرر کرکے زائد منافع خوری پر پابندی عائد کردے۔

ٹریفک پولیس والوں کے ناجائز تنگ کرنے پر رشوت دے کر جان چھڑانے کا حکم

سوال: آج کل پولیس والے' لوگوں کو بلاوجہ تنگ کرتے ہیں: گاڑی کے کاغذات وغیرہ پوری ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ جرمانہ دو۔ یہ جرمانہ بطورِ رشوت کے لیتے ہیں۔ اگر جرمانہ نہ دیا جائے تو چالان کردیتے ہیں جس سے عدالتوں کی مصیبت گلے پڑ جاتی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر ایسی صورتِ حال میں کوئی آدمی رشوت دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے تو کیا وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا کہ "رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔" ایسا واقعہ اگر پیش آجائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں اپنی عزت بچانے کے لیے اگر مجبوراً رشوت دینی پڑے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر پکڑ نہیں فرمائیں گے۔

قرآن مجید کی قسم کھانے کا حکم

سوال: کیا قرآن مجید کی قسم کھانا جائز ہے؟ حالاں کہ حدیث شریف میں ہے: "جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائی' اس نے شرک کا ارتکاب کیا؟"

جواب: قرآن کریم کلامِ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم کھانا' غیر اللہ کی قسم نہیں ہے' اس لیے قرآن کریم کی قسم کھانا صحیح ہے اور اس قسم کے توڑنے پر کفارہ لازم آئے گا۔

کلمہ شہادت پڑھ کر کسی کام کے نہ کرنے کا عزم کرکے اس کے خلاف کرنے کا حکم

سوال: عرض ہے کہ میں نے کسی کام کے نہ کرنے کے لیے کلمہ شہادت پڑھا اور یوں کہا: میں کلمہ شہادت پڑھ کر کہتا ہوں کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا۔" لیکن کچھ ہی دن بعد میں نے وہ کام کرلیا' اس طرح میں نے کلمہ شہادت کا کیا ہوا عہد توڑ دیا۔

اب میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور اللہ کے عذاب سے ڈر رہا ہوں کہ نہ جانے میرا کیا حشر ہوگا؟ برائے مہربانی مجھے کتاب وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کس طرح اس گناہ کا ازالہ ہوگا؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ کیا اس طرح کا جرم کرنے سے میں دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں ہوا؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں سائل قسم توڑنے سے خارج از اسلام نہیں ہوا' لیکن کفارہ ادا کرنا لازم ہے اور کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو کھانا کھلائے اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو تین دن روزہ رکھے۔

جوتے' کپڑے وغیرہ تبدیل ہوجانے کا حکم

سوال: اگر کسی شخص کی مسجد سے چپل' جوتے تبدیل ہوگئے یا جہاز یا بس میں بیگ وغیرہ تبدیل ہوگیا اور غلطی سے کسی دوسرے کا بیگ ہاتھ آگیا تو کیا اس کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں اس کا استعمال جائز نہیں' کیوں کہ اولاً اگر ایسا ہو بھی جائے تو یہ یقین نہیں کہ جس نے جوتا لیا ہے یہ جوتا اسی کا ہے یا جو بیگ لے گیا ہے آپ کو ملا ہوا بیگ اسی کا ہے اور اگر ایسا ہو بھی' تب بھی چونکہ باہمی مبادلہ کا کوئی معاملہ نہیں ہوا' اس لیے جو جوتا یا کپڑا ملا ہے' اس کا حکم "لقطہ" کا ہوگا' یعنی پہلے یہ کوشش کی جائے گی کہ اس کا مالک مل جائے اور اس کو واپس کردیا جائے اور اگر مالک کے ملنے سے مایوسی ہوجائے تو مالک کی طرف سے صدقہ کردے' البتہ مالک کے ملنے سے مایوسی کی صورت میں اگر یہ شخص خود بھی مستحقِ زکوٰۃ ہو تو اس کو خود بھی استعمال کرسکتا ہے۔

باورچی خانہ اور ہماری صحت

کھیرا

کھیرا کھائیں صحت و تندرستی پائیں

حکیم شمیم احمد

تعارف

کھیرے کو عربی میں قثاء اور انگریزی میں Cucumber کہتے ہیں۔اس کا نباتاتی نام CucumisSativus ہے۔
کھیرے کا شمار کچی کھائی جانے والی سبزیوں میں ہوتا ہے۔اس کو سلاد کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ تنہا بھی نمک مرچ لگا کر کھایا جاتا ہے۔
کھیرا ایک غذائیت سے بھرپور سبزی ہے' کیوں کہ اس کے اندر کم حرارے اور چربی بھی کم مقدار میں ہوتی ہے'
جبکہ اس میں حیاتین اور معدنیات کی وافر مقدار پائی جاتی ہے جو اس کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔

انمول تحفہ

کھیرے کے اندر ایک ہارمون پایا جاتا ہے' جو لبلبہ کے خلیوں کے لیے مددگار ہوتا ہے' جس سے انسولین بنتی ہے۔اس طرح یہ شوگر کے مریضوں کے لیے قدرت کا انمول تحفہ ہے۔

کھیرے کی بیل کرے گلے کی سوجن دور

کھیرے کی بیل کے پتے سکھا کر ان میں زیرہ سیاہ ملا کر بھون لینے کے بعد پیس لیں اور چائے کے چوتھائی چمچ کے برابر ناشتے کے بعد استعمال کریں اس سے گلے کی سوجن اُتر جاتی ہے۔

نبی علیہ السلام بھی کھیرے کا استعمال فرماتے تھے

کھیرے میں ٹھنڈک کی زیادتی ہوتی ہے۔اس لیے بعض مزاجوں اور جسموں کے لیے یہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔اس لیے اس کو معتدل کرنے کے لیے اگر ضرورت ہو تو اس کے ساتھ گرم چیزیں بھی استعمال کرنی چاہیے۔ ''ہمارے نبی اکرم ﷺ کھیرے کے ساتھ کھجور استعمال کیا کرتے تھے''اگر کھجور نہ ہو تو منقیٰ اور شہد کے ساتھ کھانا بھی فائدے مند ہے۔کمزور لوگ فربہ ہونے کے لیے کھیرے کے ساتھ کھجور کھائیں تو انشاء اللہ موٹے ہو جائیں گے۔

کھیرے کے فوائد

1۔ کھیرا ہمارے جسم کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔
2۔ طبیعت میں سکون پیدا کرتا ہے۔
3۔ کھیرا جگر اور مثانے کی گرمی کو ختم کرتا ہے۔
4۔ صفرا کی زیادتی میں مفید ہے۔
5۔ کھیرا جگر و طحال کے ورم میں مفید ہے۔
6۔ یہ ہائی بلڈ پریشر میں مفید ہے۔
7۔ کھیرا خونی بواسیر میں بھی مفید ہے۔
8۔ کھیرا نیند خوب لاتا ہے۔
9۔ کھیرا دل کو تسکین دیتا ہے۔
10۔ کھیرا معدے میں تیزابیت کی زیادتی اور پیاس کی شدت کو ختم کرتا ہے۔
11۔ یرقان اور بخار میں فائدہ دیتا ہے۔
12۔ کھیرے کے بیج مفرح اور پیشاب آور ہیں۔
13۔ خون کی حدت کو ختم کر کے خون کو پتلا کرتا ہے۔
14۔ کھیرا مدر بول ہونے کی وجہ سے ہمارے جسم سے بذریعہ پیشاب فاسد اجزاء کا اخراج کرتا ہے۔
15۔ کھیرا استعمال کرنے سے پہلے اس پر سیاہ نمک چھڑک کر استعمال کرنا چاہیے' اس سے یہ جلد ہضم ہو جاتا ہے۔
16۔ کھیرا لو کے مریضوں کو بخار کے دوران کھیرے کے ٹکڑے کاٹ کر سر اور چہرے پر ملنے سے فائدہ ہوتا ہے۔
17۔ کھیرا چہرے کے لیے ماسک بنانے میں بھی اس کا جوس استعمال کیا جاتا ہے جو ڈھیلی جلد کو مضبوط کرتا ہے۔
18۔ کھیرے میں اسکاربک ایسڈ کیفینک ایسڈ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کو دور کرتے ہیں۔
19۔ کھیرا دھوپ اور ہوا کی شدت کی وجہ سے جلد پر ہونے والے بُرے اثرات کو بھی زائل کرتا ہے۔

جولائی کا مہینہ اور کھیرا

جولائی کے مہینے میں گرمی اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ چمکیلی اور تیز دھوپ، پنکھے کے نیچے بیٹھ کر بھی پسینہ سوکھنے کا نام نہیں لیتا، ایسے میں باہر نکلنے اور کام کاج کرنے کا تصور ہی سوہان روح ہے۔ خصوصاً مزدور پیشہ مرد اور باورچی خانے میں کام کرنے والی خواتین کو تو یہ گرمی دن میں کئی بار پسینے میں نہلا دیتی ہے۔ بھوک کم اور پیاس زیادہ لگتی ہے۔ ٹھنڈا پانی اور مشروبات پینے ہی سے کچھ سکون ملتا ہے۔ آپ کو علم ہے کہ اتنا پسینہ کیوں آتا ہے؟

گرم موسم میں جسم کے کل پرزے گرم ہونے سے ان کے چھوٹے چھوٹے حصے یعنی خلیے ٹوٹتے اور گھس کر ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ بدن میں جب ان ٹوٹے پھوٹے ناکارہ اجسام کی تعداد بڑھ جائے تو ان میں سڑاند پیدا ہو کر اعصاب تھکنے لگتے ہیں، دل بے چین اور روز مرہ کا کام جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ناکارہ فضلات بدن سے باہر نکالنے کے لیے ہمیں پیاس کا احساس دلاتا ہے۔ پانی بدن میں داخل ہوتے ہی فضلہ اپنے اندر سموتا ہے، دوسرے جِلد کے مسامات کھول دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے پسینہ جاری ہو جاتا ہے۔

کھیرا غذائیت سے بھرپور سبزی

کھیرا پاکستان میں عام پایا جاتا ہے۔ اس کی جلد چمکدار صاف وملائم ہوتی ہے۔ اس کا رنگ سبز، زرد، سفید ہوتا ہے اور یہ ذائقے میں قدر شیریں ہوتا ہے۔ اس کا مزاج سرد وتر ہے۔ سب سے بہترین کھیرا مکمل پکا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ان منفرد سبزیوں میں سے ایک ہے جس کو کھانے کے ساتھ کچا کھایا جاتا ہے۔ اس کو چھیل کر بھی کھایا جاتا ہے تو اس کی غذائیت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ کھانے کو جلد ہضم کرتا ہے اور بھوک بڑھاتا ہے۔ اس کے بیج نکال کر چھلکے اتار کر سکھا لینے کے بعد پیس کر شہد میں ملا کر کھانے سے آنتوں کی اکثر بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

کھیرا قدرت کا کرشمہ

عام مشاہدہ ہے کہ پسینہ خارج ہونے سے جلد پر بدبودار میل جم جاتی ہے۔ یہ میل ٹوٹے پھوٹے خلیے ہی تو ہیں جو پسینے کے ذریعے جسم سے باہر آتے ہیں۔ پسینہ آنے سے بدن ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور بے چینی کم ہو جاتی ہے۔ روغنی اور نشاستے دار غذائیں جسمانی حرکت سے جلتی اور جسم کی مشینری کو تیل فراہم کرتی رہتی ہیں، مگر جس قدر جسم میں غذا بچے گی، اسی قدر بدن کو بوجھل اور موٹا بنائے گی۔ قدرت نے ہر موسم کے لحاظ سے پھل اور سبزیاں پیدا کی ہیں، جو ہماری جسمانی ضروریات اور بدلتے موسم کی اہم ضرورت ہیں۔

مایہ ناز مشروب "شربت بزوری"

طب یونانی کے مایہ ناز مشروب، شربت بزوری کو طبیب معدے، جگر، انتڑیوں اور مثانے کی گرمی دور کرنے، گردوں اور جوڑوں کے زہریلے فضلات خارج کرنے، بخار دور کرنے اور بدن میں تروتازگی پیدا کرنے کے لیے استعمال کراتے ہیں۔ اس شربت کے اجزا میں کھیرا بھی شامل ہے۔ اس عمدہ شربت کو آپ گھر پر بھی تیار کر سکتے ہیں۔

نسخہ: تخم کھیرا، تخم خربوزہ، بادیاں (سونف) ہر ایک 30 گرام — بیج کاسنی، بیج بادیان ہر ایک 50 گرام

ان سب ادویات کو ایک کلو پانی میں رات بھر بھگوئیں اور صبح چولہے پر چڑھا دیں، جب آدھ سیر پانی رہ جائے تو آگ سے اتار لیں، اس کے بعد مل چھان کر تین پاؤ چینی ملا کر چولہے پر رکھیں اور شربت کا قوام تیار کر لیں۔ لیجیے شربت بزوری تیار ہے۔

گرمی کے خلاف ڈھال

پاکستان میں کھیرا ہر دل عزیز ترکاری ہے جو گرمی کے خلاف ڈھال کا کام دیتی ہے۔ اس کا سلاد یا ویسے ہی نمک لگا کر کھانا تپش اور جھلسانے والی ہوا کے منفی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اپنے وافر پانی اور روغنی اجزا کی وجہ سے یہ ہاضمے کی نالی میں جلن، ورم اور معمولی زخم دور کر کے معدے کی تیزابیت کی اصلاح کرتا ہے۔ تندرست معدہ اسے تین چار گھنٹوں میں ہضم کر لیتا ہے، جبکہ کم زور معدے اور بلغمی مزاج والے افراد کو ہضم کرنے میں پانچ چھ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ گرم طبیعت، تیز دھوپ، کھلے کھیتوں اور آگ کے سامنے کام کرنے والوں کے لیے یہ بہت مفید ہے۔ یہ خوش ذائقہ غذا ہونے کے علاوہ پیاس کی زیادتی کا قدرتی علاج ہے۔ یہ ٹھنڈی ٹھار سبزی نہ صرف ٹھنڈک اور تازگی پہنچاتی ہے، بلکہ انسانی جِلد کی نرمی، تازگی اور خوب صورتی میں اضافے کا اہم سبب بھی ہے۔ کھیرے میں حیاتین 'اَ'، 'ج' اور معدنیات میگنیشیم، پوٹاشیم اور سلیکا پایا جاتا ہے جو جلد کے لیے بہترین ٹانک ہے۔ آنکھوں کے آرام اور سکون اور چمک کے لیے کھیرے کے قتلے پندرہ منٹ تک بند آنکھوں پر رکھیں، انشاءاللہ ٹھنڈک اور سکون حاصل ہوگا۔

کھیرے کی طرح ٹھنڈا

موسم گرما میں کھیرے، ککڑی، تربوز اور خربوزہ وغیرہ اسی غرض سے پیدا کیے گئے ہیں کہ ان کے استعمال سے بدن میں ایسی غذائیں پہنچائی جائیں جن میں پانی کی مقدار زیادہ ہو مگر چکنائی اور نشاستہ کم سے کم ہو۔ کھیرا ان چار سبزیوں میں سے ایک ہے جو برّصغیر سے ساری دنیا میں پھیلا ہے۔ ایک انگریزی محاورہ ہے "کھیرے کی طرح ٹھنڈا" یہ ایسے شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو بہت کم غصے میں آئے اور ٹھنڈے دل ودماغ کا حامل ہو۔

مختلف ممالک میں کھیرے کی سجاوٹ

"مصر میں" کھیرے کے قتلے پیاز، لیموں کے رس، زیتون کے تیل اور سفید پنیر میں شامل کر کے ایک شاندار کھانا تیار کیا جاتا ہے۔

"ایشیا اور مشرق وسطیٰ" میں کھیرے کو دہی کے ساتھ شامل کر کے سلاد بنایا جاتا ہے۔

"ایران" کا کھانا کھیرے کے ساتھ تیار کیا ہوا نہایت سجاوٹ والا ہوتا ہے۔ اس میں اخروٹ اور کشمش بھی ڈالی جاتی ہے۔ اسی طرح ایران میں اچار والے چھوٹے کھیروں کو چند دن چونے کے پانی میں رکھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شفاف ہو جائیں، پھر انھیں چینی کے ساتھ اُبال کر ذائقے دار اور نفیس مربّہ تیار کیا جاتا ہے۔

کھیرے اور دہی سے تیار کردہ سلاد "اہل تُرکی" کا بھی پسندیدہ ہے۔

Perfect®
Freshener
رہو خوشبوؤں میں
Perfect
Freshener
Room
Freshener
اصلي
ASLEE
LA PERFUME
Dry
300 ml e
THE WELCOMING
FRAGRANCE
OF HOME
/perfectairfreshener
Imported & Marketed by
Shakeel Enterprises
www.se.com.pk

منزل کی تلاش

قسط نمبر 5

عاتکہ سلیم

زینب نے پریا کی ماما کی طرف دیکھا، جو بالکل بوڑھی اور برسوں کی بیمار لگ رہی تھیں، مگر ان کی ساڑھی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ جوانی میں شاید وہ پریا سے زیادہ خوب صورت تھیں۔ ”زینب بیٹا!“ وہ بولیں۔ ”جی آنٹی! کہیے... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“ زینب نے کرسی پر بیٹھ کر ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑے پیار سے کہا۔

”بیٹا! میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی پاپ میں گزار دی ہے۔“ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے، انھوں نے پریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”یہ میری بیٹی ہے، پریا۔ یہ آج سے تمھاری امانت ہے۔ اب میرا زندہ رہنا مشکل ہے اور میرے بعد اس کا کوئی نہیں اس دنیا میں۔ میں اسلام کی حقّانیت جان چکی ہوں، پلیز... !!“ انھوں نے التجائیہ نظروں سے آمنہ بیگم کی طرف دیکھا۔ آمنہ بیگم کو اس عورت پر رشک آرہا تھا، جس کا خاتمہ بالخیر پر ہو رہا تھا۔

”بے شک! اس کی کوئی نیکی اس کے کام آئی ہے۔“ انھوں نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ شکیل صاحب نے ڈاکٹر کو بھی فون کر دیا تھا۔ پریا کی امی بولی: ”میں جا رہی ہوں۔ میری بیٹی کی حفاظت کرنا، میری خواہش پوری کرنا اور بیٹا تم اسلام ضرور قبول کرنا، اگر ارجن ملے تو اسے بھی میرا پیغام دینا کہ وہ بھی اسلام قبول کرلے۔“

پریا تڑپ اٹھی: ”ماما! آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ کچھ نہیں... !!“ مگر وہ مسکرا رہی تھی اور بول رہی تھی: ”میرے پاس وقت نہیں ہے۔ پلیز... !! مجھے مسلمان کر دو، تاکہ میں آخرت میں عذاب سے بچ سکوں۔“

آمنہ بیگم نے بے ساختہ انھیں کلمہ پڑھانا شروع کر دیا، وہ کوئی بڑی عالمہ یا شریعت کی مکمل پابند تو نہ تھی، مگر اتنا ضرور جانتی تھی کہ مزید دیر کی تو اس کی موت کفر کی حالت میں ہو جائے گی، اسی لیے انھوں نے اسے کلمہ پڑھایا اور پھر کہا: ”عائشہ! تمھیں اسلام مبارک ہو۔“ پریا کی ماما اپنا اسلامی نام سن کر مسکرائی، ایک نظر پریا کو دیکھا اور ان کا سر ایک طرف کو لڑھک گیا۔

”ماما... !!“ پریا تقریباً چلّائی اور ان کے اوپر آکر جھکی، مگر وہ تو مالکِ حقیقی کے پاس جا چکی تھی۔ پریا وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ زینب نے بڑی مشکل سے اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے آئی، پھر آمنہ بیگم نے قریبی مدرسے کی معلّمہ کو بلایا اور انھیں سب بتایا، وہ ایک خوش اخلاق خاتون تھیں اور مدرسے کی ناظمہ بھی۔ کوئی تین سال کا عرصہ ہوا ہوگا کہ وہ اس محلّے میں شفٹ ہوئی تھیں اور بچیوں کے لیے ایک دینی مدرسہ کھولا۔ ماشاء اللہ! کافی طالبات ان کی زیرِ نگرانی تعلیم حاصل کر رہی تھیں اور علم کے موتیوں سے اپنے دامن کو مالا مال کر رہی تھی۔ معلّمہ باجی نے پریا کی امی کو غسل دیا اور شام تک پریا کو زینب سنبھال چکی تھی۔ مغرب کے بعد زینب اسے لے کر نیچے آئی اور پریا نے اپنی ماں کا دیدار کیا۔ سفید کفن میں لپٹا، مسکراتا ہوا چہرہ... ایک دم اسے اپنی ماں پر بے حد پیار آیا اور اس نے ماں کی پیشانی پر آخری بوسہ ثبت کر دیا۔ عشاء کے بعد نمازِ جنازہ تھی۔ بلال، کسی ضروری کام سے شکیل صاحب کے پاس آیا ہوا تھا، انھوں نے اسے بھی جنازہ میں شرکت کرنے کو کہا تو وہ بھی رک گیا، پھر جنازہ پڑھایا گیا۔ شکیل صاحب اور محمود آگے تھے، جبکہ محمد اور بلال نے پیچھے سے کندھا دیا ہوا تھا، پھر رات دیر سے قبرستان سے واپسی ہوئی۔

❁❁❁

اگلے دن صبح 10 بجے بلال اور ثنا اکّیس دن کے لیے عمرے پر چلے گئے، کیوں کہ بلال کی خواہش تھی کہ وہ ھنی مون کے بجائے، عمرے پر جائیں۔ ایئرپورٹ صرف شکیل صاحب اور محمود ہی جا سکے اور زینب اور آمنہ بیگم پریا کے پاس ہی تھے۔ ثنا اور بلال کو اس واقعے کے بارے میں علم نہ تھا۔ پریا اب اسی گھر میں تھی جبکہ محمد، بلال کے گھر رہتا تھا اور اس کے آفس میں بیٹھتا تھا۔ بلال سب کچھ محمد کے حوالے کر کے گیا تھا۔ پریا بھی مسلمان ہو چکی تھی، وہ اور زینب روزانہ 3 گھنٹے کے لیے قریبی مدرسے میں بہشتی زیور اور فقہ کی دوسری کتابیں پڑھنے جایا کرتی تھیں، وہاں کی ناظمہ سلمیٰ باجی پریا کو بہت پیار سے پڑھاتی اور اسے کہتی کہ تم نے راہِ حق چُنا ہے اور اللہ کی رسّی کو تھام لیا ہے۔ پریا کا دل اب مضبوط ہو چکا تھا، اسے یہاں رہتے ہوئے 10 دن ہو چکے تھے۔ زینب کا گھرانہ بہت اچھا تھا۔

❁❁❁

آمنہ بیگم نے شکیل صاحب سے کہا: ”حامد اور محمود تو چھٹیوں پر گئے ہیں اور محمد، بلال کے گھر رہ رہا ہے۔ محمد کو اب یہاں آجانا چاہیے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟“ انھوں نے جواب طلب نظروں سے شکیل صاحب کو دیکھا۔

”میں پریا اور محمد کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔“ شکیل صاحب نے کہا۔ ”ثنا کو بلال جیسا نیک ہم سفر ملا تو کیوں نہ ہم دونوں اپنے دین سے محبت کی خاطر ایک یتیم لڑکی کو اپنی بہو بنالیں،“

(جاری ہے۔۔۔)

بیٹیاں

امۃ اللہ

بیٹیاں اس طرح گھر بار سنبھالے ہوئی ہیں
چھت کو جیسے در و دیوار سنبھالے ہوئی ہیں

❁❁❁

آج میرے بھائی کاشف کے فرسٹ آنے پر پورے خاندان کی دعوت تھی۔ گھر کے کام کاج سے فارغ ہوئی تو 12بج چکے تھے۔سب بہنیں ایک گھنٹہ پہلے ہی سو چکی تھیں۔میں تھکن سے چور ہو کے لیٹی تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں گہری نیند سوجاتی‘مگر کسی کی آہیں اور سسکیاں مجھے سونے نہیں دے رہی تھیں۔میں نے کروٹ بدلی تو رافعہ کو اس کی جگہ نہ پایا اور کسی کے رونے کی دبی آواز سے پیچھا چھڑانے کے لیے رافعہ کو ڈھونڈنے نکل پڑی۔

رافعہ میری سب سے چھوٹی بہن ہے۔گھر کے اسٹور کی لائٹ جلی دیکھی تو میں پہچان گئی کہ رافعہ وہیں ہوگی۔میں نے دروازہ کھولا تو وہ چھوٹی سی پینٹ شرٹ پہنے شیشے کے سامنے چند تکیوں پہ کھڑی لڑکھڑاتے ہوئے مفلر سیٹ کر رہی تھی۔میں نے آہستہ سے سخت لہجے میں کہا: ”رافعہ!“ وہ سہم گئی اور خاموشی سے کھڑی رہی۔”اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو؟“ میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔”وہ‘مم‘میں تجھ بھی تو نہیں تر رہی تھی۔“رافعہ جھجکتی ہوئی اپنی توتلی زبان میں بولی۔”کیا بات ہے رافعہ! میں نے کتنی بار سمجھایا ہے اور کس طرح آپ کو سمجھ آئے گی؟آپ لڑکی ہو...لڑکا کبھی بھی نہیں بن سکتیں‘چاہے کتنے ہی لڑکوں کے سوٹ کیوں نہ پہن لو۔“میں اس کی گردن میں پھنسے مفلر کو نکالتے ہوئے بولی اور اسے فراک پہنا کر کمرے میں ابھی لائی ہی تھی کہ وہ رونے لگ گئی۔

”آپی میری چائے؟“”جی! لا رہی ہوں...!“
”آپی میرے کپڑے کہاں رکھے ہیں؟“
”وہیں بیڈ پہ...!“
”بیٹی! میری گھڑی دیکھی ہے؟“
”جی ابو! یہ لیں...!“
”اچھا بیٹا! ہم چلتے ہیں۔آپ گھر آنا؟“
”جی آنٹی! ضرور...!“
”آپی! آپ کو پتا ہے‘میری بک کہاں ہے؟“
”جی! دیکھ کر دیتی ہوں...!“

”مجھے وہی تپڑے چاہییں۔مجھے دو...مجھے دو“بس پھر کیا تھا...سب بہنوں کی آنکھ کھل گئی۔
”نہیں رافعہ! چپ ہو جاؤ! دیکھو...میں تمہیں نئی اور اچھی سی فراک کل سی کر دوں گی۔“میں اسے چپ کرانے لگی اور سب بہنیں مجھے گھورنے لگیں۔

میں نے اس بات کو بڑی دیر بعد محسوس کیا تو شرمندگی سے بولی۔
”معاف کر دو! مجھے پتا نہیں تھا کہ رافعہ یہیں آ کے روئے گی۔“میری بات کے اختتام پر سب ایک ساتھ بولیں۔”ہم پہلے ہی سے جاگ رہی تھیں۔“
یہ سن کر میں نے کہا: ”کیوں؟آج محفلِ غیبت نہیں جمی اس لیے؟یا بابا کی باتیں نہیں کیں اس لیے...؟“
وہ بولیں: ”جی! بابا کی خبریں نہیں پڑھیں‘اس لیے ہمیں نیند نہیں آ رہی۔“

ہم آٹھ بہنیں ہیں اور ایک بھائی۔یہ سب مجھ سے چھوٹے ہیں۔والدہ کا انتقال رافعہ کی پیدائش پر ہی ہو گیا تھا۔
”چلو! اب سب سوجاؤ۔“میں نے رافعہ کو گود میں لیتے ہوئے کہا۔”نہیں! ہم نہیں سوئیں گی۔ہمیں نیند نہیں آ رہی۔“سب بہنیں منہ بناتی ہوئی بولیں۔

میں نے دل میں سوچا کہ میں ان کی بڑی بہن ہوں‘اگر میں ان کے غم نہ سنوں گی تو کہیں یہ غیروں کو اپنا غم خوار نہ بنالیں۔
میں نے کہا: ”اچھا! ٹھیک ہے۔کہو کیا کرنا ہے اب؟“
ایک بولی: ”آپی! ایک بات پوچھوں؟“ میں نے کہا: ”جی! پوچھو...؟“
”مجھے لگتا ہے‘جیسے میرا اس دنیا میں کوئی نہیں...کیا ہم اپنی مرضی سے بیٹی بنے ہیں...کیا بابا ہمیں اپنا نہیں سمجھتے...کیا بیٹی ہونا اتنا برا ہے کہ کبھی پیار بھی نہیں کرتے...کیا بیٹیاں کم زور ہوتی ہیں...کم زور تو پھول بھی ہوتے ہیں‘شاخیں بھی ہوتی ہیں‘مگر لوگ پھر بھی انھیں پسند کرتے ہیں اور بابا کو بھی تو پھول پسند ہیں‘مگر ہم پسند نہیں؟“وہ غصے سے بولی۔
میں نے کہا: ”ایسا نہیں سوچتے! بابا ہم سب سے بہت پیار کرتے ہیں‘اسی لیے تو ہمارے لیے دھوپ میں کمانے جاتے ہیں۔“
دوسری بولی: ”نہیں آپی! بابا ہمارے لیے ہرگز نہیں کماتے...بابا صرف اور صرف

کاشی بھائی کے لیے‘ان کی فیس کے لیے کماتے ہیں۔“

میں نے کہا: ”کیا بابا نے ہماری ضرورتیں پوری نہیں کیں...؟ایسا نہیں کہتے گڑیا! یہ ناشکری ہوتی ہے۔اب تک بابا ہی کے خون پسینے سے تو ہم بڑے ہوئے ہیں۔“ تیسری نے کہا: ”ہاں! یہ بات سچ ہے کہ بابا ہی نے ہمیں کھلایا‘ پلایا اور کبھی کبھی ہماری ضرورتیں بھی پوری کیں... مگر آپی! آپ خود بتائیں ‘کیا کھانا پینا ہی سب کچھ ہوتا ہے...؟ کیا پیار محبت سے زندگی نہیں بنتی...؟ ہر وقت بابا کی ناک پر غصہ اور زبان میں سختی رہتی ہے۔کیا یہ کڑواہٹیں صرف ہمارے لیے ہی رہ گئی ہیں...؟“ میں نے کہا: ”ایسی بات نہیں... بابا بہت پریشان رہنے لگے ہیں۔کاشی کی یونی ورسٹی کی فیس بھرنا آسان نہیں ہوتا اور پھر پورا گھر بابا ہی کی محنت سے تو چل رہا ہے۔“

چوتھی حسرتوں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی: ”آپی! کیا کاشی ہی کی خواہشیں‘خواہشیں ہیں...؟ کیا ان کی ہی اُمنگوں کو اڑنے کی اجازت ہے...؟ کیا سب آسانیاں بابا نے کاشی کے لیے سمیٹی ہیں...؟ کیا ہماری آنکھیں نہیں...؟ کیا ہم خواب دیکھنے کا حق نہیں رکھتیں...؟“ میں نے کہا: ”بے شک! ہر انسان کو آگے بڑھنے کا حق ہے اور...“

میری بات کو توڑتے ہوئے پانچویں بولی: ”مگر آپی! اب میں پہچان گئی ہوں کہ ہم شاید انسان نہیں۔“

چھٹی افسردہ سی بولی: ”آپی! مجھے تو بس آپ کی پرواہ ہوتی ہے...! آپ نے اپنی زندگی ہمیں دے دی اور اپنی خواہشوں کا اظہار تک نہ کیا۔ہم سب بھی اب بڑی ہو گئی ہیں‘اگرچہ باتیں بچوں جیسی ہیں۔آپ کی عمر نکلی جا رہی ہے۔آپ کب تک اپنی زندگی کو قربان کرتی رہیں گی؟ بابا کو کیا آپ کی شادی کا خیال نہ آتا ہو گا؟“

اس کی اس بات پہ میں ٹوٹنے لگی۔قریب تھا کہ میرے آنسو نکل جاتے‘مگر میں جانتی ہوں‘اگر میں ٹوٹ گئی تو یہ سب بکھر جائیں گی‘پھر میں خود کو سنبھالتے ہوئے بولی: ”تم سب میری خوشیاں ہو اور تمہاری خواہشوں کی تکمیل ہی تو میری خواہش ہے۔میں بس تمہارے لیے جینا چاہتی ہوں۔“

ساتویں نے کہا: ”او بس بھی کرو اب...! کیا ایموشنل ڈرامہ لگا رکھا ہے تم سب نے مل کر۔“ وہ جان بوجھ کر مصنوعی ہنسی ہنسنے لگی اور ہنستے ہنستے رو پڑی اور کہنے لگی: ”کیا ہم اپنی جائز خواہشوں کو بھی پانے کا حق نہیں رکھتیں؟“

میں نے کہا: ”سب کچھ خواہشوں کی تکمیل ہی نہیں ہوتا۔اس سے بڑھ کر وہ قربانیاں بھی ہوتی ہیں‘انسان جن سے اللہ پاک کی نظر میں اپنی قیمت بناتا ہے۔اللہ نے ہماری ساخت جن کاموں کے لیے بنائی ہے‘اسی میں ہمارے لیے دونوں جہانوں کی سعادت کو سمیٹ دیا ہے‘یہاں تک کہ ہمارے لیے گھر بار کے سنبھالنے کو جہاد جیسی عظیم نیکی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ہمیں اللہ کی تقسیم پر راضی رہنا چاہیے اور جہاں تک ہماری جائز خواہشیں ہیں تو اللہ کسی کی محنت کو کبھی ضائع نہیں کرتے۔ایک دن یقیناً ہمیں ہماری منزل مل جائے گی‘بشرطیکہ ہم جلد بازی سے کام نہ لیں اور اپنے رب کی ناشکری نہ کریں۔رہی بابا کی بات! تو کیا میں نے تمہیں یہ بات نہیں بتائی کہ جو شخص بیٹیوں کی پرورش کرے تو اسے جنت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ بیٹیاں اس کے لیے جنت کی بشارت بن جائیں گی۔“اس بات پر سب ایک ساتھ بولیں: ”یہ بات بابا کو بتانی چاہیے۔“

میں نے کہا: ”بے شک! بابا بہت خوش نصیب ہیں‘کیوں کہ اللہ جس سے خوش ہوتے ہیں‘اسے بیٹیاں عطا کرتے ہیں اور پھر مال اور بیٹے تو دنیا کی رونق ہیں اور ہم آخرت کی...ان شاء اللہ تعالیٰ! کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کے لیے فرمایا کہ جنت میں وہ میرے ساتھ ہو گا‘مگر یہ اسی صورت میں جب ہم نیک سیرت اور بہترین کردار و گفتار والی بن جائیں۔جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ ایسے شخص سے خوش ہوں تو ہم کون ہوتے ہیں بابا کی برائی کرنے والے۔یہ سب شیطان کی حرکت ہے‘وہ چاہتا ہی نہیں کہ ہمیں خوش دیکھے‘اسی لیے ہمارے دلوں میں طرح طرح کے برے خیالات ڈال کر ہمیں غم زدہ کرتا ہے۔بس! اب سے بابا کی برائی بند...! اور اچھی بیٹیاں اپنے بابا کے لیے تو کیا...کسی غیر کے لیے بھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتیں۔“

ان سب کی غلط فہمی چند لمحوں میں دور ہو گئی اور انھیں سمجھ آگیا کہ سب کچھ دنیا اور اس کی خواہشوں کا حصول نہیں ہوتا‘بلکہ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى... پھر میں نے اپنی آٹھویں بہن سے پوچھا: ”کل ایک کارڈ آیا تھا‘اس میں کیا تھا‘تم نے بتایا نہیں؟“ وہ کہنے لگی: ”اس کارڈ میں فیشن ڈیزائنرز کی طرف سے مجھے دعوت دی گئی تھی۔“ یہ سن کر ہم سب بہنیں اس کی طرف خوشی سے لپکتی ہوئی بولیں۔

”پھر کیا ہوا...؟ کیا انھیں تمہارے ڈیزائن پسند آئے...؟“

”جی آپی! انھیں نا صرف پسند آئے‘بلکہ مجھے کام بھی مل رہا تھا‘وہ بھی ایک بھاری ایڈوانس تنخواہ کے ساتھ۔“

میں نے بے حد خوش ہو کے کہا: ”پھر کیا ہوا؟ اور تم یہ ہمیں آج بتا رہی ہو؟“

اس نے اداس ہو کر کہا: ”آپا... آپ کی تربیت آڑے آگئی‘جب انھوں نے مجھے دیکھا تو ساتھ موڈلنگ کی بھی قید لگائی۔آپ صحیح کہتی تھیں کہ آنکھیں کاجل سے مزیّن کر کے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔میں اگرچہ فُل حجاب میں تھی‘مگر وہ شخص میری آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

اچھی خاصی صورت ہے آپ کی۔آپ موڈلنگ کیوں نہیں کرتیں...؟ پھر میرے سامنے نوٹوں کی گڈّی رکھتے ہوئے بولا: ترقی کا زمانہ ہے اور آپ ابھی تک حجاب ہی میں قید ہیں...؟ لوگ چاند سے ہو کر آگئے ہیں۔اب آپ کو باہر نکلنا چاہیے۔

پہلے تو میرا دل بہت مچلا آپی کہ اتنے سارے پیسوں سے تو ہم سب کی زندگیاں بن جائیں گی‘مگر جب اس شخص نے یہ فالتو قسم کی گفتگو کی تو یہ وہ مرحلہ تھا‘جب میں آپ کی بات یاد کر کے شرم سے پانی پانی ہو گئی...پھر میں نے اپنی کرسی سرکاتے ہوئے کہا کہ جنہیں چاند پہ جانا ہے‘وہ شوق سے چلے جائیں۔میں اپنی حیا میں ہی رہنا پسند کرتی ہوں اور میں ان پیسوں کو ہٹا کر اپنے ڈیزائن واپس لے آئی۔“ یہ سن کر

سب بہنیں اسے شاباشی دینے لگیں۔

ہم بھی کیا خوب ہیں! سب بکنے کو بیٹھے ہوں جہاں
ایسے ماحول میں کردار سنبھالے ہوئی ہیں

میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے اسے گلے سے لگایا' پھر سب بہنیں مجھ سے لپٹ گئیں۔ میرے غموں کی آگ ٹھنڈی ہوگئی اور دل نے کہا کہ تیری تربیت رائیگاں نہ گئی... الحمدللہ!

❁❁❁

رات گزر گئی اور دن مسکرانے لگا۔ میں نے سب کے لیے ناشتہ بنایا اور انھیں تیار کر کے اپنے اپنے اسکول و کالج بھیجا۔ ''واؤ... آپی! اتنے سارے پھل اور اتنے اچھے اچھے کھانے! آج تو بڑی ہی خوش بو مہک رہی ہے۔'' دوپہر کے دستر خوان پر طرح طرح کے پکوان دیکھ کر سب کے منہ میں پانی آگیا۔

میں نے کہا: ''مہمان آرہے ہیں؟'' یہ سن کر سب تعجب سے بولیں۔

''کون سے مہمان...؟'' اس بات پر میں خاموش رہی تو ایک بہن بولی۔

''میں سمجھ گئی... یقیناً وہ مہمان آپی کو دیکھنے کے لیے آرہے ہیں۔''

میں نے کہا: ''بہت چالاک ہوگئی ہو۔ چلو! اب سب کپڑے تبدیل کرو اور رافعہ کو بھی دیکھو... وہ کوٹھری میں کیا کر رہی ہے۔''

آج جبکہ میری عمر 35 سال کی ہوگئی ہے۔ اس دوران رشتہ میرے چہرے کا نقاب دیکھ کر چلا گیا' پھر مجھے ہر بار کی طرح مرد وزن کے سامنے بلایا گیا' جیسے ٹرے میں مٹھائی کو پیش کرتے ہیں۔ ان کی نظروں میں میری جھکی ہوئی آنکھیں کم اعتمادی کی علامت بنیں۔ چادر میں چھپے منہ نے انھیں گاؤں دیہات یاد دلایا اور دھیمہ لہجہ اور کم گویائی انھیں پرانے زمانے کی کہانیاں لگیں۔ ان سب کے باوجود بڑی مشکل سے اس بات پر رضامندی ہوئی کہ نکاح اس شرط پر کریں گے کہ پردہ نہیں کرنے دیں گے... پھر مجھے اس بات پر مجبور کیا گیا کہ میں اپنا چہرہ کھولوں۔ میں مسلسل بابا کی طرف دیکھ رہی تھی کہ بابا ہی کچھ کہیں... بابا بھی مجھے ہی دیکھ رہے تھے' پھر میں نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا کہ اگر آپ کی شرط یہی ہے کہ میں ساری زندگی اللہ کے حکم کو توڑ کر اپنی حیا کو نیلام کرتی پھروں تو یہ مجھے منظور نہیں۔ میں وہاں سے اٹھی اور اپنے غموں کو لوٹ گئی۔

تھوڑی دیر بعد بابا آئے اور کہا: ''تم پردہ چھوڑ کیوں نہیں دیتی؟'' اور پھر مجبور ہو کر کہنے لگے: ''بے شک! تم مجھ پہ بوجھ نہیں ہو بیٹی! مگر...'' پھر بابا اپنی بات ادھوری چھوڑ کر چلے گئے' جسے میں نے پورا کیا ''مگر معاشرے نے مجھے بوجھ بنا ہی دیا!''

❁❁❁

گھر میں اداسی کی فضا چھا گئی' جیسے میری میّت ہوگئی ہو۔ سب بہنوں کے منہ لٹکے ہوئے تھے۔ بابا اور کاشی تو مجھے دیکھنا پسند بھی نہیں کر رہے تھے اور میرا دل...! سو اس کی مجھے خود بھی اب پرواہ نہ رہی تھی۔ یوں لگا' جیسے ہم خود اپنے دین کے دشمن بن گئے ہیں دنیا کی چاہت میں' پھر میرے دل میں بار بار بابا کا تصور آرہا تھا۔

ایک باپ پر سب سے بھاری وقت اس کے گھر میں بیٹھی بیٹی ہوتی ہے' جس کا کردار سفید ململ اور عمر برف کی طرح پگھل رہی ہوتی ہے' جس کی شادی کے وہ خواب سجاتا ہے' ہر دن جس کے لیے جیتا اور مرتا ہے۔ بھلا اس باپ پر بیٹی کی ذمہ داری پہاڑ کیوں نہ ہو؟ پھر مزید معاشرے کی غیر شرعی شرائط اور زمانۂ جاہلیت کا منظر پیش کرتی ہوئی رسمیں' اس باپ کے بوجھل کندھوں کو توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ آج بھی دفن ہوتی ہیں بیٹاں... مگر الگ انداز پر! صدیوں پہلے جن در گور ہونے والی بیٹیوں کو شریعت نے زندگی دی تھی' آج معاشرے کے بگاڑ نے انھیں پھر اپنے دلوں کو در گور کرنے پر مجبور کر دیا۔ بھیگی آنکھیں رات بھر سُلگتی رہیں... خواب سارے دُھواں ہوگئے... نیند مجھ سے روٹھ گئی اور سب ناآشنا ہوگئے۔ نیند کی گولیاں لینے کے لیے آج پہلی بار بابا کے پوچھے بغیر میں نے بابا کے پرس میں ہاتھ ڈالا' جس میں سے ایک کاغذ نکلا' جس میں لکھا تھا۔

''میری سب سے پیاری بیٹی ''حیا'' ہے اور مجھے اس سے سب سے زیادہ محبت ہے' کیوں کہ وہ بہت حیادار ہے' وہ اپنے بابا کے لیے جیتی ہے اور وہ کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتی' جس سے اس کے بابا کو تکلیف ہو۔''

بابا جانتے تھے کہ حیا بیٹی جو خود حوصلہ دینے والی ہے' یقیناً اس دن اس کے تمام حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور خود بابا میں بھی حوصلے کی طاقت نہ رہے گی۔ پس! مجھے ہوش آگیا اور میں نے ان گولیوں کو پھینک دیا' کیوں کہ بابا کو تکلیف دیتے ہوئے مجھے حیا آئی۔

تجھ کو رکھنا ہے ہمیں اوروں سے تھوڑا سا الگ
اے حیا ہم تیرا معیار سنبھالے ہوئی ہیں

طبیعت نڈھال اور جسم تھکن سے چور تھا' مگر ہر بار کی طرح اپنی پیاری بہن رافعہ پر نظر پڑی تو میں خود کو سمیٹ کر کھڑی ہوگئی' کیوں کہ مجھے ان سب کے لیے جینا تھا۔ میں نے سب کو تیار کیا' ہر صبح کی طرح مسکرائی' مگر اس بار یہ مسکان مصنوعی تھی' جس کو میں نے اپنوں کے لیے بُنا تھا۔ کاشی کو اس کی گھڑی دی تو اس نے محسوس کر لیا کہ مجھے بخار ہو رہا ہے۔ میں نے کہا: ''کچن کی گرمی کی وجہ سے ہاتھ گرم ہو رہے ہیں۔ بخار نہیں ہے' ٹھیک ہو جاؤں گی!'' بڑی مشکل سے ہنسی ہنستے ہوئے اسے تسلّی دے کر رخصت کیا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئی' کیوں کہ میں پردے میں رہنے والی صرف حیا ہی نہیں' بلکہ ایک بیٹی بھی ہوں اور...

بیٹیاں اس طرح گھر بار سنبھالے ہوئی ہیں
چھت کو جیسے درو دیوار سنبھالے ہوئی ہیں

Your Friend In Real Estate

جُنید امِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی۔ایچ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے
جُنید امِین

BAHRIA TOWN

PAKISTAN DEFENCE OFFICERS HOUSING AUTHORITY
HOME FOR DEFENDERS

DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی

021-35313254 - 0300-9213373 junaidameen@live.com

وہ بچہ ابھی تک اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا' وہ سراپا التجا تھا۔ مقابل کو ٹھٹھکا دینے والی اس کی بے بسی حیران کن تھی۔ وہ کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ اور اس کی منزل کیا تھی؟ وہ نہیں جانتا تھا' لیکن وہ زندگی کے سفر میں تنہا تھا۔ یہ اس کی آنکھوں کا خالی پن چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا۔

وہ یعنی داور شاہ' اس روڈ کے کنارے بنے ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے ہوئے "گلاس وال" کے اس پار بنے روڈ کے فٹ پاتھ پر کھمبے سے ٹیک لگائے' پاؤں سمیٹے' آتی جاتی گاڑیوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے' اس بچے کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہا تھا۔ اس بچے کی منتظر نگاہوں میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ اس کا جی کھانے سے ہی اچاٹ ہو گیا' وہ کھانا پرے کھسکاتا اٹھ کھڑا ہوا' لیکن جب تک وہ بل ادا کر کے باہر نکلا تو وہ بچہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ جب وہ آس پاس دیکھنے پر بھی نظر نہ آیا تو وہ تاخیر کرنے پر اپنے آپ کو کوستا وہاں سے چلا آیا' لیکن اپنا سکون وہیں چھوڑ آیا۔ بار بار اس بچے کا چہرہ' اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ آخر کار اگلے دن اسی جگہ جانے کا مصمّم ارادہ کرتا نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا۔

❁❁❁

"داور شاہ" صحافت کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا' جس کا قلم سچ کا علم بردار سمجھا جاتا تھا۔ معاشرے کے بھیانک سچ کو سامنے لاتے ہوئے' نہ کبھی اس کا قلم لرزہ براندام ہوا تھا' نہ کبھی اس کا ہاتھ کانپا تھا۔ وہ اپنی ذات میں کمال کی شخصیت تھا۔ وہ رب کا بندہ تھا۔ یہ یقین اس کا قلم بندوں کو دلا رہا تھا۔ وہ اپنے ایک پراجیکٹ کے سلسلے میں اس جگہ آیا تھا' لیکن اس بچے کو دیکھ کر نجانے کیوں اس کا دل بار بار اس بچے کی طرف مائل ہو رہا تھا اور اس کی اس حالت کے پیچھے چھپی اس کی کہانی جاننے کو چاہ رہا تھا۔

اور آج وہ پھر ایک بار اسی جگہ موجود آس پاس نظر ڈال رہا تھا۔ شاید آج پھر کوئی معجزہ ہو جائے اور وہ بچہ نظر آجائے۔ ایک دو گھنٹے انتظار کرنے پر بھی وہ بچہ نظر نہ آیا تو وہ جانے کے لیے پَر تولنے لگا۔ بٹوا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ایک اچٹتی نگاہ اس نے باہر کے منظر پر ڈالی تو وہی بچہ اسے ایک مکینک کی دوکان سے باہر نکلتا نظر آیا تو وہ تیزی سے نکل کر اس بچے کی طرف دوڑا۔ وہ بچہ باہر بنے ایک تھڑے میں گم صم سا بیٹھا سڑک پر نجانے کیا کھوج رہا تھا۔ دوڑنے کی وجہ سے داور شاہ کی سانسیں انتہائی حد تک پھولی ہوئی تھیں' وہ وہیں گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر جھکے ہوئے لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ سانسیں اپنی معمولی رفتار پر آئیں تو وہ سیدھا ہوتے ہوئے اسی تھڑے پر بیٹھنے لگا' جس پر وہ بچہ بیٹھا ہوا تھا۔

"گُڈ بوائے...! تم نے تو تھکا ہی دیا مجھے۔" اس نے اپنے سے مانوس کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں اس سے کہا۔

"یہاں پہ کیا کرتے ہو تم؟" اس سوال پر اس نے جن نظروں سے اسے دیکھا وہ شرم سے زمین میں گڑ سا گیا۔ "اوکے' اوکے میں سمجھ گیا کہ تم یہاں کام کرتے ہو۔ پڑھتے ہو؟" داور شاہ نے تولتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں! مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے چڑتے ہوئے جیسے جان چھڑانی چاہی۔ "کیوں کہ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے چھوٹے بھائی کا خیال آتا ہے' وہ بھی بالکل تمہاری طرح ہے۔" نرمی سے اسے کہا تو وہ بچہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "ملنے چلو گے اس سے؟"

"میں؟" وہ ابھی تک حیران تھا۔ "یس... آپ... اب چلیں!" داور شاہ نے اٹھ کر اپنا ہاتھ اس کی طرف پھیلایا۔ اس نے' اس کی پھیلی ہوئی چوڑی ہتھیلی کو دیکھا' پھر

نفس کی بھوک

ابلیہ مظفر

ڈرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو اس کی نرم مسکراہٹ نے اسے حوصلہ دیا۔ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے 'ایک نئی منزل کی طرف گامزن وہ بچہ مسکرا رہا تھا۔

❁❁❁

پورے راستے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کر کے وہ بچہ اس سے اب کافی حد تک مانوس ہو چکا تھا۔ گھر کے دروازے پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو اسے یاد آیا کہ امی نے پھل لانے کا کہا تھا' جو وہ ساڑھے تین گھنٹے میں بھول بھال چکا تھا۔

''اوہ 'شِٹ...! مارے گئے۔'' ماتھے پر ہاتھ مارتا وہ اپنی عقل کو کوستا رہا۔ ''کون ہے؟'' ان کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ کتنے غصے میں ہیں۔

''میں...امی...داور!'' خشک حلق تر کرتے ہوئے اسے جواب دیا۔

''پورے شہر کی خاک چھاننے کے بعد آخر کار میرے سپوتوں کو خیال آ ہی گیا کہ اپنی اکلوتی ماں کی خیریت بھی دریافت کر لی جائے۔'' وہ غصے میں اسی طرح بابائے اردو کی جانشین بننے کا ریکارڈ قائم کرتی تھیں۔ وہ بچہ مسلسل ان کی اتنی غصے والی آواز سن کر سراسیمہ سا ہو رہا تھا۔ داور نے اس کا ڈر کم کرنے کے لیے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''یار! امیاں تو ایسی ہی ہوتی ہیں نا...!'' داور شاہ مسکرایا تو وہ جواباً پھیکی سی ہنسی ہنسا۔ پوری سیڑھیاں غصے میں بولتے بولتے انھوں نے آ کر دروازہ کھولا تو بیٹے کے ساتھ کسی اور کو دیکھ کر ٹھنڈی ہو گئیں۔ ''یہ بچہ کون ہے داور؟'' سوالیہ نظریں داور پر ٹکی تھیں۔ ''آپ مجھے بولنے کا موقع دیں تو میں بتاؤں ناماں کہ یہ کون ہے؟'' داور نے کندھوں سے انھیں تھام کر چھیڑا تو ''ہٹ پرے شریر نا ہو تو۔'' کہتے ہوئے جھینپ سی گئیں۔ اندر بڑھتے ہوئے ایک خیر مقدمی مسکراہٹ انھوں نے اس بچے کی طرف اچھالی جو کہ اندر آنے کا ایک اشارہ تھا۔ ''آجاؤ بُوائے! میری امی بہت سوئیٹ ہیں' بلکہ ان کو اپنی بھی ماں ہی سمجھو' اوکے!'' داور نے اس کے لیے پورا دروازہ کھول دیا اور یہ رب کی رحمت تھی' جو اس پر کھول دی گئی تھی۔

❁❁❁

وہ عارفین احمد تھا۔ لاڈو پلا... جس کی خواہشات کا ادراک' اس کے والدین کو' اس کے بنا کہے ہو جاتا تھا۔ وہ ہنستا تو اس کے والدین اس کی ہنسی میں شامل ہوتے' وہ روتا تو پورا گھرانہ فکر مند ہو جاتا۔ ہر زینہ کام یابی اور اپنوں کی محبتوں کے ساتھ طے کرتا بارہ سالہ عارفین احمد ہر دل عزیز اور حد درجہ حساس واقع ہوا تھا۔ دوسروں کی تکلیف اسے پہروں رلاتی تھی تو دوسروں کی مسکراہٹ اسے اپنی جیت کا اعزاز لگتی تھی۔ دوسروں کی ہنسی میں ہنسنے والا اور دوسروں کی تکلیف میں رونے والا وہ بچہ کبھی ہنسنے کے بہانے ڈھونڈنے سے بھی نا پائے گا' یہ کون سوچ سکتا تھا!!!

وہ اپنے والدین کا بہت منتوں' مرادوں سے پیدا ہونے والا بیٹا تھا۔ اس سے پہلے اس کے والدین کی جتنی بھی اولادیں ہوئیں' وہ بمشکل ایک سال ہی زندہ رہ سکیں' پھر موت کی آغوش میں پہنچ گئیں۔ اسی باعث جب وہ پیدا ہوا تو وہ وقت اس کے والدین پر بے حد کڑا تھا کہ نجانے یہ اولاد ہمارے نصیب میں ہے یا نہیں' لیکن وہ جب جب اپنی عمر رواں کے منازل طے کرتا جا رہا تھا' اس کے والدین کا اطمینان بھی بڑھتا جا رہا تھا' اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنے والدین کی زندگی تھا تو یہ کہنا غلط نہ تھا۔ ان کی سانسیں تک گویا اپنے بچے کی سانسوں سے بندھی تھیں۔ اس کی کہی گئی ہر بات کا احترام ان پر فرض تھا' لیکن اس لاڈ پیار نے اسے بگاڑا نہیں' بلکہ ہر لمحہ' ہر لحظہ سنوارا تھا۔ وہ اپنے بوڑھے والدین کو دیکھتا تو اسے لگتا کہ ابھی بہت سے قرض ہیں' جو اسے اتارنے ہیں۔ بہت سے احسان ہیں' جن کا بدلہ اس نے چکانا ہے۔ وہ اپنے اُس والد کا دست و بازو بنے گا' جس نے اپنی ضعیفی کے باوجود' اس کی ہر خواہش اپنے ان بازوؤں کے طفیل پوری کی ہے۔ وہ اپنی ماں کی آرزوؤں کی لاج رکھے گا۔ وہ ان کی ہر بات پر لبیک کہنے والا بنے گا' لیکن افسوس صد افسوس... ان غُنچوں پر' جو بِن کھلے مرجھا گئے۔ افسوس ان حسرتوں پر جو وقت سے پہلے دم توڑ گئیں۔

وہ وقت' وہ لمحہ' وہ منظر... 12 سالہ عارفین احمد کی آنکھوں میں جم سا گیا تھا' جب اس کا باپ رحم کی بھیک مانگ رہا تھا اور اس کے باپ کا بھائی اس چار کروڑ کی مالیت کے گھر کے لیے اپنے سگے بھائی پر پستول تانے کھڑا تھا اور اس کا شفیق باپ روتے ہوئے ''میرے عارفین کو کچھ نہ کرنا زاہد... میرے بچے کو کچھ نا کہنا' وہ موت کو نہیں جانتا... اس کو اس تکلیف سے مت گزارنا... تمھیں خدا کا واسطہ ہے...!'' کہتے ہوئے رحم کی اپیل کر رہا تھا اور وہ ظالم انسان' جو ظلم میں اپنے آپ کو شاید خدا سمجھ بیٹھا تھا' وہ ہنس رہا تھا اور اسی وقت ٹریگر دبانے کی آواز آئی اور اس کا باپ بندھے ہاتھوں کے ساتھ ہی پورے قد سے گر پڑا' اس کا چچا جاگیر دار تھا' جو جہالت میں گویا صفِ اوّل میں تھا۔ وہ رشتوں سے زیادہ پیسوں سے پیار کرنے والا شخص تھا۔ نفس کی بھوک اس پر بے طرح حاوی تھی اور نفس کی بھوک تو پھر کسی طرح بھی نہیں مٹتی نا...!

عارفین احمد وہ منظر اپنی آنکھوں میں سمائے اور دل میں چھپائے اپنا سب سے قیمتی اثاثہ وہیں چھوڑ آیا۔ اس منظر نے اس کی آنکھوں کی جوت بُجھا دی تھی۔ وہ مسکراتا تو اس کے ہونٹ اس کا ساتھ نہ دیتے تھے۔ اس کا دل روتا تھا اور رحم مانگتا تھا۔ راتوں کو سوتا تو ڈر جاتا' پھر چیخ چیخ کر روتا تھا۔ کسی نے اس پر ترس کھاتے ہوئے مکینک کے مالک کے پاس پہنچا دیا اور پھر وہاں داور شاہ اس کے لیے فرشتہ بن کر آیا اور اس کے سارے غم سمیٹ لے گیا۔ وہ رب تھا' جس کا وعدہ تھا' ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ...''

❁❁❁

اور آج پورے 14 سال بعد وکالت کا کوٹ پہنے اور ہاتھوں میں ڈگری اٹھائے سر بلند کیے کمرۂ عدالت میں داخل ہونے والا عارفین احمد' لاکھوں دلوں کی دھڑکن تھا۔

آج وہ اپنے والدین کا کیس لڑنے آیا تھا اور کٹہرے میں چچا کا کھڑا ہونا گویا اس بات پر گواہی تھی کہ وہ کیس جیت چکا ہے' اس کو خوشی اس بات کی نہیں تھی کہ اس کو اپنا گھر واپس مل چکا ہے' بلکہ اس کو خوشی اس بات کی تھی کہ زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی سہی' اس کے والدین کی اُن اذیتوں کا ازالہ کچھ تو ہوا ہو گا' جو انھوں نے سہی تھیں۔

''تھینک یو سر!'' وہ نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے داور شاہ سے گلے مل رہا تھا۔ ''سر...؟؟ بوائے! کتنی بار کہا ہے تمھیں کہ مجھے عمّاد کی طرح بھائی کہا کرو... سدھرتے نہیں ہو تم۔'' داور شاہ نے عارفین احمد کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے خفگی بھری تنبیہی نگاہوں سے اسے گھورا۔

''جی سر...! میرا مطلب ہے بھائی!'' اس نے فوراً اپنی بات کی تصحیح کی اور دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

قدرت کا کرشمہ

حمزہ رمضان

"ابو جندل! آپ فوراً کلاس سے باہر نکل جاؤ! جلدی کرو۔۔۔!" عبداللہ سر 'ابو جندل پر برس رہے تھے۔

"سر۔۔۔! وہ میں۔۔۔نے"

"ہاں! ہاں! پتا ہے "وہ۔۔تم نے۔۔۔ سبق۔۔۔ یاد کیا تھا!" اسی لیے اب تم سبق کا ایک لفظ بھی سنا نہیں پارہے اور یہ تمہارا روز کا معمول بن چکا ہے۔" سر عبداللہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"سر۔۔۔سچ میں۔۔۔ میں نے" جندل نے صفائی پیش کرنا چاہی۔

"بس! اب تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نہ سنوں! چپ کر کے باہر نکل جاؤ!" ابو جندل بوجھل قدموں سے باہر جانے کے لیے اٹھا' مگر ڈیسک سے لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا' جس پر پوری کلاس کھل کھلا کر ہنسنے لگی۔ ابو جندل ایک بہت محنتی بچہ تھا' مگر وہ جو کچھ بھی یاد کرتا' اسے بہت جلد بھول جاتا تھا۔ وہ گم صم سا اسکول سے گھر لوٹا اور آتے ساتھ ہی بستر پر گر گیا اور سسکیاں لیتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ابو جندل ایک یتیم بچہ تھا' جس کے سر سے والدین کا سایہ بچپن سے ہی اٹھ چکا تھا اور اب وہ اپنی بڑی بہن کے گھر پر رہتا تھا' جہاں اسے اس کی بہن 'اسے ماں باپ کی دوری کا احساس تک نہیں ہونے دیتی تھی' مگر ماں تو آخر ماں ہوتی ہے' بقول شاعر

چاہیں ہم خوشیوں میں ماں کو بھول جائیں دوستو!
جب مصیبت سر پہ آتی ہے تو یاد آتی ہے ماں!

ابو جندل کا بھی یہی کچھ حال تھا' جب کبھی کوئی اسے ڈانٹ دیتا تو اسے بھی بے اختیار اپنی ماں کی یاد ستاتی تھی اور وہ گھنٹوں اپنی ماں کو یاد کر کے روتا رہتا۔ "حامد! یار مجھے یہ سبق سمجھا دو گے؟" ابو جندل نے حامد سے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"کیوں بھئی! کیوں تمہیں سبق سمجھاؤں؟" حامد نے حقارت سے کہا۔

"حامد! میں بھی تو آخر تمہارا دوست ہوں اور کلاس کا ساتھی بھی!" ابو جندل نے نرمی سے کہا۔ "کون دوست؟ کہاں کا دوست؟ میں کسی گرے ہوئے انسان کو دوست نہیں بناتا۔ جاؤ! کام کرو اپنا۔" یہ سن کر ابو جندل بکھر کر رہ گیا اور اس کے پاس سے اٹھ گیا۔

"پتا نہیں 'ان غریب اور بے وقوف لوگوں کو اسکول میں داخلہ کیوں دے دیتے ہیں؟" حامد اسے جاتا دیکھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

حامد ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ وقاص کے پاس آیا اور بولا۔

"وقاص بھائی! یہ پیپر سمجھا دیں گے؟"

"مجھے اپنا پڑھنا ہے 'کسی اور سے جا کر سمجھ لے۔" ابو جندل سے برداشت نہ ہو سکا اور آنسوؤں کا سیلاب اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا۔

"دوستو! اِدھر دیکھو۔۔۔! اب لڑکیوں کی طرح آنسو بہا رہا ہے۔" وقاص چلّاتے ہوئے بولا۔ "جب اس کو کچھ سمجھ آتا نہیں 'کچھ یاد رہتا نہیں تو پھر یہ کیوں یہاں اسکول آتا ہے؟ جائے یہاں سے اور سموسوں 'پکوڑوں کی ریڑھی ہی لگا لے۔" حامد نے ایک طعنہ مار کر زخمی دل پر نمک چھڑکا۔ بالآخر سالانہ امتحان آ گئے اور ابو جندل کا نتیجہ خراب آیا' جس کی بدولت اسے اسکول چھوڑنا پڑا۔ شاید قدرت کو اس کا یہاں پڑھنا منظور نہ تھا اور پھر بجلی کی تیزی کی طرح بیس سال کا عرصہ گزر گیا۔

❁❁❁

"یار' وقاص! دعا کر میرے لیے' کوئی جاب نہیں مل رہی یار!" حامد نے وقاص کو فون پر اپنی پریشانی سناتے ہوئے کہا۔ "ٹینشن کیوں لیتے ہو دوست! میری بھی یہی پریشانی ہے۔ تم پریشان مت ہو! میں ایک ملکی سطح پر نامور کمپنی میں اپلائے کے لیے جانے کا سوچ رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ چلنا۔ کیا خیال ہے' چلیں؟"

"ضرور چلو! میں تو کہتا ہوں ابھی چلو! کیوں کہ میں جاب تلاش کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔"

"چلو پھر کل چلتے ہیں۔" وقاص نے فون رکھتے ہوئے کہا۔

❁❁❁

ٹھک' ٹھک' ٹھک! حامد نے آہستہ سے کمرہ نمبر 44 کھٹکھٹایا۔

"آ جائیں!" اندر سے رعب دار آواز آئی۔

حامد نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو سامنے ٹیبل کے دوسری طرف ایک رعب دار شخص بیٹھا ہوا تھا' جو "بن عبداللہ" کمپنی کا اکیلا مالک تھا۔ چہرے پر رعب دار داڑھی 'سر پر سفید ٹوپی اور سفید لباس۔۔۔ دِکھنے میں تو وہ کوئی درویش ہی لگ رہا تھا اور اب تک ٹیبل پر نظریں ٹکائے کچھ لکھنے میں مشغول تھا۔ "ہاں' جی! آ گئے میرے مہمان؟"

(بقیہ ص 41 پر)

"دولہے والے آرہے ہیں' دولہے والے آرہے ہیں!"اس نے فوراً پاس پڑی چادر کا گھونگھٹ کیا۔لڑکوں کی چاپ ایک دم سُست ہوگئی۔دولہے کی امی نے سارہ کی امی سے کہا: "پلیز...!! دلہن کو بولیں گھونگھٹ ہٹالے۔باقی سارے لڑکے چلے جائیں گے۔"
امی دوڑتی ہوئی سارہ کے پاس آئیں اور بولیں: "بیٹا پلیز...!!"
"امی!آپ زبان سے بولیں نا کہ اللہ کی نافرمانی کروں...بولیں!" وہ خاموشی سے واپس لوٹ گئیں۔لڑکے واپس لوٹ گئے' مگر انداز میں واضح ناخوشی تھی۔

❁❁❁

یہ اگلے دن کی بات ہے۔سارہ مدرسے کا کام نپٹا رہی تھی کہ اس کے فون پر کال آئی۔اس نے کال ریسیو کی۔"السلام علیکم!"کسی مرد نے کہا۔
"جی!آپ کون؟"انداز میں سرد مہری تھی۔وہ رانگ کال سے بولتی نہ تھی' مگر آج یہ غلطی مول لی تھی۔
"آپ کا ہونے والا شوہر...!"انداز میں شوخی تھی۔
"جی میں امی کو فون دیتی ہوں۔"سارہ نے آرام سے کہا اور فون امی کو دے دیا۔امی سونے لگی تھیں۔حیران سی ہوئیں اور بات کرنے لگیں۔

❁❁❁

کچھ دنوں بعد کا ذکر ہے۔امی' سارہ کے پاس آئیں۔"بیٹا!" لہجے میں پیار تھا۔"جی امی!"وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
"تمہیں بلال سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"
"امی!دیکھیں...وہ میرے نامحرم ہیں۔میں کیا کرتی۔"بے چارگی سے کہا۔"تم یہ کرو کہ اس سے کبھی کبھار فون آئے تو بات کرلیا کرو۔"امی نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"امی!میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتی۔"سارہ کا چہرہ آنسوؤں سے بھر گیا تھا۔امی خاموشی سے چلی گئی تھیں۔الفاظ شاید ختم ہوگئے تھے۔

❁❁❁

کچھ دنوں کے بعد کا ذکر ہے کہ اس کی شادی چوں کہ چھ (6) مہینے بعد طے ہوئی تھی' اس لیے وہ امی اور بڑی بہن کے ساتھ شاپنگ کرنے آئی ہوئی تھی۔مدرسہ بھی روز جایا کرتی تھی۔الحمدللہ!اس کی کارکردگی اچھی تھی۔سارہ شاپنگ مال کی ایک دکان میں کچھ کپڑے دیکھ رہی تھی کہ اس کی بھانجی ماہ نور بولی: "وہ دیکھیں بلال بھائی۔"سارہ نے نہیں دیکھا۔
شاپنگ مال سے خریداری کرنا اسے پسند نہیں تھا۔اس کی سب سے پہلے نظر امی' ابو کی رضا اور جیب پر ہوتی تھی' چوں کہ حرا کا بہت دل تھا کہ برانڈڈ سوٹ لینے ہیں' سو وہ آج یہاں لے آئی تھی۔حرا بار بار دور کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی۔امی پتا نہیں کہاں تھیں اور سارہ تھی کہ نگاہیں جھکائے جارہی تھی کہ اچانک حرا نے کسی کو سلام کیا۔
"السلام علیکم!سارہ۔"اس مرتبہ اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا گیا تھا' پہلے والی شوخی نہ تھی۔"وعلیکم السلام!"مختصر جواب دیا۔
"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"سارہ کے منگیتر نے کہا۔
"جی' کہیے...!!"سارہ فوراً بولی۔
"اکیلے میں۔"گویا حرا کو اشارہ کیا' وہ فوراً دوسری طرف چیزیں دیکھنے چلی گئی۔سارہ مجبوراً رک گئی تھی' حالاں کہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔
"دیکھیں!میں آپ کے پردے کے خلاف نہیں ہوں' لیکن ہر بندے کی کچھ خواہشات ہوتی ہیں اپنے فیانسی کی طرف سے۔آپ کیا خوش ہیں اس منگنی سے؟"اس نے جواب طلب نظروں سے سارہ کی طرف دیکھا۔
"الحمدللہ!میں بہت خوش ہوں ہر لڑکی کی طرح' لیکن میں کسی کی ان خواہشات کو پورا نہیں کرسکتی' جو اللہ کی رضا سے ٹکرائیں۔"کہہ کر چل دی' مگر یہ کیا...کوئی ساتھ ساتھ چلنے لگا۔"پتا ہے کیا...میں منگنی توڑنے کا سوچ رہا تھا' پر اب میں خوش ہوں۔"شوخی واپس آگئی تھی۔
"اللہ آپ کو بھی خوش رکھے۔"پتا نہیں کیوں سارہ کی زبان سے یہ جملہ پھسلا۔اب سارہ کا دوسرا معرکہ حرا اور امی کو ڈھونڈنے کا تھا...!!

❁❁❁

سارہ...تہجد میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھی۔"اے اللہ!میرے معاملات درست کریے گا۔میرے لیے آسانی پیدا کریے گا۔"چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔آج اس کا مدرسے میں آخری دن تھا۔مدرسہ میں گزارے تین (3) سال وہ نہیں بُھلا سکتی تھی۔آنکھوں سے آنسو نہیں رُکتے تھے۔اس نے افرا باجی کو ایک ایک بات بتائی' وہ اس کی پسندیدہ تھیں۔
"باجی!آپ کو پتا ہے...آپ اگر ایمن کو ذرا سا مسکرا کر دیکھ لیا کرتی تھیں تو مجھے اتنا رشک آتا تھا...کہ کیا بتاؤں۔"اور باجی جواب میں مسکرا دیتی تھیں۔وہ بھی دُکھی تھیں' لیکن سب دعائیں دے رہے تھے۔نیک تمنّاؤں کا اظہار کر رہے تھے۔ایسے ہوتے ہیں اللہ والے لوگ۔آخری ملاقات اس نے بڑی باجی سے کی' جنہوں نے اس کا انٹرویو لیا تھا۔
"السلام علیکم!"سارہ نے ادب سے کہا۔
"وعلیکم السلام!"پیار سے جواب دیا گیا۔"باجی میری شادی ہورہی ہے۔"سارہ نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ خبر دی۔"مبارک ہو!ایمان مکمل ہورہا ہے اور آپ اداس ہو۔""باجی...!!"کچھ کہنے کی کوشش کی' مگر الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔"دیکھو' سارہ!!

---(جاری ہے)

بنت گوہر

ہجرت

قسط نمبر 8

موسم گرما

اہلیہ محمد فیصل

''ہا گرمی' ہو گرمی' اوپر گرمی' نیچے گرمی' دائیں گرمی' بائیں گرمی'' یہ وہ الفاظ ہیں' جو موسم گرما میں لوگوں کے منہ سے سننے کو ملتے ہیں_ موسم گرما میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں' سورج کی شعاعیں سیدھی زمین پر پڑتی ہیں اور زمین والوں کو جھلسا کر رکھ دیتی ہیں. بحیثیت پاکستانی' ہم پاکستانی گرمی کو مختلف قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں' جیسے؛ گرم ہوائیں' لو کا چلنا' حبس کا بڑھنا وغیرہ؛ گویا آسمان سے آگ برس رہی ہوتی ہے۔

چونکہ گرمی اور بجلی کا پاکستان میں چولی دامن کا ساتھ ہے' اس لیے جیسے ہی موسم گرما کی شدت بڑھتی جاتی ہے' بجلی کے پاور پلانٹ ٹرپ ہونے' پول جلنے' اور بلاوجہ لائنیں کاٹ دینے کے واقعات میں بھی شدت آجاتی ہے' پھر بجلی نہ ہو تو پانی بھی ندارد... اسی لیے اکثر عوام پانی کے بجائے ان گرما کے ایام میں پسینے سے نہا کر لطف اندوز ہوتی رہتی ہے' اس طرح ان کی زندگی بناء بجلی اور پانی کے بھرپور انداز سے گزرتی ہے۔

موسم گرما میں گرمی کے بڑھتے ساتھ ہی کئی چیزوں کے کاروبار بھی چمک جاتے ہیں جیسے ؛برف والے کا کاروبار' ملائی قلفی والے کا کاروبار' آئسکریم والے کا کاروبار اور گولے گنڈے والے کا کاروبار- مذکورہ بالا افراد آسمان کی طرف بار بار نگاہ اٹھا کر رب کا شکر ادا کرتے ہوئے شدت موسم کو اور بڑھانے کی التجا' رب کے حضور بھیجتے رہتے ہیں کہ یہی موسم تو ان کی بکری کا اور گھر کی خوشیوں کا ضامن ہوتا ہے (آپس کی بات ہے روز بروز موسم کی شدت میں اضافہ انہی غریبوں کی دعاؤں کا شرف قبولیت پانا محسوس ہوتا ہے)' ویسے ٹھنڈا ٹھار پانی پینے سے دل تک میں ٹھنڈک اتر جاتی ہے' اور ریڑھی کی ملائی قلفی اور گولے گنڈے کے سکرین ملے رس کو چوسنے کا لطف بھی موسم گرما کی شدت کا ہی خاصہ ہے۔ بچے' بوڑھے' جوان سبھی اس موسم میں ان سستی اور مزیدار اشیاء کے رسیا دکھائی دیتے ہیں' یہ اور بات ہے کہ پھر ڈاکٹروں کے کلینک میں تل دھرنے کی جگہ بھی نظر نہیں آتی۔ (اب ڈاکٹر بھی انسان ہیں' ان کی روزی روٹی کا بھی کچھ انتظام ہونا چاہیے' ہے نا)

موسم گرما کی ایک اور خاصیت بچوں کی اسکولوں کی چھٹیاں ہیں' گرمی کی آمد کے ساتھ ہی بچے' بالے اور منڈے آنکھوں میں چمک لیے اسکول کے آخری دن کے منتظر رہتے ہیں اور جیسے ہی چھٹیوں کا مژدہ سنایا جاتا ہے' ان کے چہرے' مہرے کا رنگ ہی نرالا ہو جاتا ہے' بستے الماریوں میں مقید ہو جاتے ہیں۔ اب ہر گلی' محلے' نکڑ اور پگڈنڈی پر لڑکے' بالے'' ٹی ٹونٹی اور ایشیا کپ'' کے اسٹیج سجا میدان میں اتر آتے ہیں' بڑی بے فکری اور عیاشی کا زمانہ ہوتا ہے' کہاں روزمرہ کا لگا بندھا ماحول' امتحان' جائزوں اور ہوم ورک کی فکریں؟ کہاں یہ آزادانہ اور بے مہار مزے' ہر سو چین ہی چین ہوتا ہے' لیکن جیسے جیسے چھٹیوں کا زمانے لدنے لگتا ہے' ان بے چارے بچوں کے چہروں پر بھی گرم ہوائیں اثر انداز ہونے لگتی ہیں' چھٹیوں کے ہوم ورک کا ہولناک عفریت منہ کھولے' دانت کسوڑے ان کے سامنے آ دھمکتا ہے' راتوں کو خوابوں میں آ کر ڈراتا ہے اور بے چارے یہ معصوم جو چھٹیوں میں گلوں کی طرح کھل اٹھے ہوتے ہیں' اب پھر سے خزاں رسیدہ پتوں کی طرح تھر تھر کانپ رہے ہوتے ہیں۔ چھٹیوں کے آخر ایام میں والدین بچوں کو سیر و تفریح کے لیے لے کر نکلتے رہتے ہیں اور چھٹیوں کی آخری اتوار تو گویا سارا شہر ہی باہر امنڈ پڑتا ہے' کسی پارک' واٹر پلیس' سمندر اور ریسٹورنٹ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی_ ہر طرف ''زندگی زندہ دلی'' کی عکاس نظر آتی ہے۔

موسم گرما کا ذکر ہو اور گرما کے پھلوں کا ذکر نہ کیا جا' یہ ممکن ہی نہیں' ٹھنڈے' میٹھے' رسیلے پھل گرمی کی ہی سوغات ہیں' تربوز' گرما' خوبانی' آلوچہ' رس بھری' چیری' لیچی اور جامن کو پھل فروش کے پاس دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ جیب میں '' بلیک بیری''

(بقیہ ص 37 پر)

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi

1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore

19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

ثمامہ اور عکرمہ آج بہت خوش تھے۔ کل ان کے ماموں جان سنگاپور سے آئے تھے۔ وہ ان کے لیے بہت سی چاکلیٹیں اور کھلونے لائے تھے۔ آج ثمامہ اور عکرمہ اپنے امی ابو کے ساتھ ماموں جان کو ساحل سمندر لے کر جارہے تھے۔ امی نے مزے کی بریانی بنائی تھی۔ سب ابو کی ہائی روف میں بیٹھ گئے تھے۔ ''ماموں جان! چاکلیٹیں بہت مزے کی ہیں۔ میں تو جیب میں ڈال کر لایا ہوں۔'' ثمامہ نے ایک چاکلیٹ کا چھلکا اتارا اور چاکلیٹ منہ میں ڈال لی۔ ''ثمامہ! تم نے چاکلیٹ کا چھلکا کہاں رکھا؟'' ماموں جان نے فوراً پوچھا۔ ''رکھتا کہاں ماموں جان! چھلکا تو پھینکنے کے لیے ہوتا ہے۔ کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔'' اس نے فوراً کہا۔

''اگر ہم اس طرح جگہ جگہ کچرا پھینکیں گے تو جگہ جگہ گندگی ہوگی۔ کچرے کے انبار لگیں گے۔ لوگ بیمار پڑ جائیں گے۔''

''مگر ماموں جان! یہاں تو پہلے ہی جگہ جگہ کچرے کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ ایک میں نے چھلکا پھینک دیا تو کیا ہوا؟'' ثمامہ نے جلدی سے کہا۔ ثمامہ کی بات سن کر ماموں جان چند لمحے کے لیے خاموش ہوگئے، جیسے انھیں ثمامہ کی بات سن کر بہت افسوس ہوا ہو۔ ''کیوں ماموں جان! کیا آپ سنگاپور میں جگہ جگہ کچرا نہیں پھینکتے؟'' عکرمہ نے پوچھا۔ ''نہیں، بیٹا! گندگی پھیلانے یا کوڑا کرکٹ باہر ڈالنے پر ایک ہزار ڈالر جرمانہ ہے اور جو دوسری بار خلاف ورزی کرتا ہے تو اس پر پانچ ہزار ڈالر جرمانہ اور تیسری مرتبہ کی خلاف ورزی پر اس کو ایک بینر پہنا دیا جاتا ہے، جس پر لکھا ہوتا ہے: ''میں گندگی پھیلانے والا گنوار مرد ہوں۔'' عکرمہ اور ثمامہ ماموں جان کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔

''بیٹا! اب سے 50 سال پہلے بابائے سنگاپور اور ملک کے پہلے وزیرِاعظم ''لی کوان یو'' نے سنگاپور کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے ایک مہم کا آغاز کیا تھا، لیکن بیٹا! اس سے تم یہ نہ سمجھنا کہ اس سے پہلے سنگاپور کوئی گندی جگہ تھی، جسے صاف کرنے کے لیے مہم شروع کی گئی تھی، بلکہ سنگاپور پہلے بھی گندہ نہیں تھا۔ اس مہم کا صرف یہی مقصد نہیں تھا کہ سنگاپور خوب صورت لگے، خوش نما لگے، بلکہ ایک صاف ستھرا شہر زیادہ مضبوط ہوتا ہے، وہاں کے لوگوں کے جذبے اور اخلاق بلند ہوتے ہیں۔ وہاں سب صحت مند اور مضبوط ہوتے ہیں، وہاں بیماریوں کی شرح گھٹ جاتی ہے۔'' ماموں جان بتا رہے تھے اور عکرمہ اور ثمامہ کے علاوہ امی اور ابو بھی غور سے سن رہے تھے۔

''بیٹا! ہم کو کچرا اپنے گھر کے باہر جمع نہیں کرنا چاہیے، جن شہروں میں موسم قدرے ٹھنڈا ہوتا ہے، وہاں تو اگر کچرا اٹھانے میں کچھ دیر بھی ہو جائے تو اتنا مسئلہ نہیں، مگر گرم شہروں میں یہ تاخیر خطرناک ہے۔ کچرے کو فوری ٹھکانے لگانا چاہیے، ورنہ! مکھیاں، چوہے۔ لال بیگ وغیرہ بڑھنے لگتے ہیں۔'' ''ماموں جان! ہمارے ہاں بڑا سا ٹرک آتا ہے، وہ کچرا لے جاتا ہے۔'' عکرمہ بولا۔ ''ہاں! مگر اس کا ڈھکنا نہیں ہوتا، لہٰذا آدھا کچرا گرتا ہوا جاتا ہے۔'' ثمامہ نے فوراً کہا۔ ''بیٹا! سنگاپور میں کچرا اٹھانے کا کام آدھی رات کے بعد شروع کیا جاتا ہے اور صبح صادق سے پہلے مکمل کر لیا جاتا ہے۔ وہاں جو ٹرک کچرا اٹھاتے ہیں، وہ اپنے پیچھے پرفیوم کی پھوار چھوڑتے جاتے ہیں، اس سے فضاء میں کچرا اٹھنے کے بعد خوش بو پھیل جاتی ہے۔'' ''ماموں جان! سنگاپور کو فائن سٹی بھی کہتے ہیں ناں، یعنی اچھا شہر۔'' عکرمہ بولا۔

”ہاں ! اور فائن کا مطلب جُرمانہ بھی ہے‘ یعنی یہاں جُرمانے بہت لگتے ہیں‘ یعنی ہر غلطی پر جُرمانہ۔“

”ماموں جان ! ہم اپنے شہر کو اتنا صاف ستھرا کیسے کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو اتنے وسائل بھی نہیں ہیں اور سنگاپور میں تو جدید ترین مشینریاں ہیں۔ ان کی مدد سے صفائی سُتھرائی رکھنا آسان ہے۔“ ثمامہ کے لہجے میں مایوسی تھی۔ ”نہیں‘ بیٹا ! 1961ء میں وہاں 7 ہزار افراد پر مشتمل ایک گروہ تھا‘ جو سڑکوں پر جھاڑو لگا کر‘ اسے صاف ستھرا رکھتا تھا۔ صاف ستھرا ہونے کے لیے بہت وسائل کی ضرورت نہیں‘ بلکہ سمجھ داری اور پُختہ ارادے کی ضرورت ہے۔“ ماموں جان نے کہنا شروع کیا۔ ”صفائی ستھرائی کی سمجھ کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ سمجھ بھی ہونی چاہیے کہ سڑکوں پر یاں کسی ایسی جگہ کوئی کھیل نہ کھیلیں‘ جس سے ٹریفک کی روانی میں خلل پڑے۔ موسیقی کے آلات بجا کر اپنے پڑوسیوں کو تنگ نہ کریں۔ جگہ جگہ نہ تھوکیں۔ ایک مرتبہ سنگاپور میں‘ میں نے چیونگم چبا کر ڈسٹ بن کے بجائے کہیں اور پھینک دی تھی۔“

”پھر‘ پھر کیا ہوا تھا؟“ عکرمہ نے جلدی سے پوچھا۔ ”مجھے ”سو ڈالر“ کا جرمانہ دینا پڑا تھا۔“

”مگر اب تو وہاں چیونگم فروخت نہیں ہوتی۔ برسوں پہلے‘ وہاں چیونگم کی خرید و فروخت پر پابندی لگ چکی ہے۔“ ابو نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ باتوں باتوں میں عکرمہ‘ ثمامہ وغیرہ ساحلِ سمندر پہنچ چکے تھے۔ ”ماموں جان ! ہمارا ملک بھی بہت خوب صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھی ڈھیروں نعمتوں سے نوازا ہے۔“ عکرمہ نے دور سمندر پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ”اِن شاء اللہ ! ہم سب بھی اپنے وطن کو صاف ستھرا رکھیں گے اور اس کا آغاز ہم اپنے آپ سے کریں گے۔ ہم میں سے ہر فرد انفرادی اور اجتماعی طور پر اس میں حصہ لے گا۔ کل میں اپنے اسکول میں اسمبلی کے بعد اپنے ہم جماعتوں کو یہ بتاؤں گا‘ پھر ہم اپنے اسکول میں جگہ جگہ صفائی کے بینر لگائیں گے‘ پھر ہم صفائی ستھرائی میں اپنے اسکول کا مقابلہ دوسرے اسکول سے کریں گے۔“ ثمامہ نے جلدی جلدی کہا۔

”ماموں جان ! ثمامہ ہمارے اسکول کا ہیڈ بوائے ہے۔ طالبِ علموں کے علاوہ اساتذہ بھی اس کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔“ عکرمہ جلدی سے بولا۔ ”وہ دن دور نہیں‘ جب ہمارے بچوں میں یہ شعور پیدا ہو جائے گا کہ وہ اچھی باتوں پر نہ صرف خود عمل کریں گے‘ بلکہ دوسروں کو بھی بتائیں گے۔“ ماموں جان نے کہا۔ ”ان شاء اللہ !“ بچوں نے بلند آواز سے کہا۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ عکرمہ اور ثمامہ جوس کے ڈبے اور پھلوں کے چھلکے چُن کر ڈسٹ بن میں ڈال رہے تھے۔

بقیہ

موسمِ گرما

تربوز‘ گرما‘ خوبانی‘ آلوچہ‘ رس بھری‘ چیری‘ لیچی اور جامن کو پھل فروش کے پاس دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ جیب میں ”بلیک بیری“ (موبائل) ہو نہ ہو لیکن پیٹ میں رسیلے مزیدار پھل ضرور ہونے چاہییں۔ پھلوں کی یہ بہار یکدم جوبن پر آجاتی ہے‘ جب بازار میں ”آم“ قدم رنجہ فرماتا ہے‘ اب تو پھل فروشوں کی سج دھج ہی نرالی ہوتی ہے‘ آم کو دیکھ دیکھ کر بلکہ پیچ پیچ کر پھول کر کپا ہو جاتے ہیں‘ ہر سو آم کی سوندھی سوندھی خوشبو پھیلی ہوتی ہے؛ سندھری‘ چونسہ‘ دھسیری اور لنگڑا سے شروع ہونے والی یہ تان بیگم پھلی اور انور رٹول پر ٹوٹتی ہے آم کے متعلق تو بڑے بڑے شاعر اور ادباء بھی جذباتی تھے‘ کیا غالب‘ کیا اقبال سبھی آم کے گرویدہ ور سیا تھے اقبال پر توجب ڈاکٹر نے ایک آم کھانے کی پابندی لگائی تو انھوں نے ”کلکٹر“ آم کو چنا‘ تاکہ لذت دہن بھی برقرار رہے اور ڈاکٹر کی بات کا بھی پاس رہ جائے۔ آموں کو بطور تحفہ بھی بہت اہمیت حاصل ہے‘ کہیں محبت بڑھانے کے لیے تو کہیں کام بنانے کے لیے اس کے ٹوکرے بھیجے جاتے ہیں‘ جن کو بصد احترام قبول و منظور کیا جاتا ہے (محبت بڑھنے اور کام کے ہونے کی ذمہ داری اس قبول و منظور سے مستثنیٰ ہے)۔

ایک آم کھانے کے ہوتے ہیں مگر ایک جسموں پر بھی نمودار ہوتے ہیں اسی لیے کچھ لوگ آم کو بارش سے پہلے نہیں کھاتے (ویلے نہ ہوں تو‘ مزے پر جبر کرتے ہیں)‘ جب کہ کچھ لوگ مینہ برسنے کا انتظار کیے بغیر آموں کو ہی پانی میں بھگو کر رام کر لیتے ہیں اور نوش کر جاتے ہیں‘ مگر کچھ اوتاؤلے یہ تردد بھی نہیں کرتے اور آموں کو پیٹوں میں بے صبری سے منتقل کیے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں یہ آم بھی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہو ان کے چہروں‘ ہاتھوں اور پیروں پر اپنی محبت کے نشان ثبت کرتے جاتے ہیں۔

گرمیوں میں سبزیاں کچھ کم کم نظر آتی ہیں‘ لیکن پھر بھی کدو‘ کریلا اور کھیرا گرمی کے توڑ کے لیے قدرت کا سستا اور عمدہ تحفہ لے کر حضرت انسان کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے نظر آتے ہیں۔

الغرض ! موسم کوئی بھی ہو‘ اللہ رب العزت نے اس میں اپنے بندوں کے لیے فائدے ہی پوشیدہ رکھے ہیں‘ موسموں کو کوسنا‘ خصوصاً گرمی کو‘ جب کہ اسی گرمی کے طفیل ہم کتنے مضرات سے بچ کر صحت مند رہتے ہیں‘ تو شکر کیجیے اور خوش رہیے۔

"یار...! یہ میدہ کیا ہوتا ہے؟" گڈّو میاں پیّو سے پوچھنے لگے۔ "اپنی امی سے پوچھو۔" پیّو نے جھٹ سے جواب دیا۔
"نہیں یار...امی جی سے نہیں پوچھنا نا! یہ کیک مجھے خود بنانا ہے۔ان سے پوچھا تو وہ کہیں گی کہ میں خود بنا دوں گی۔ مجھے کچن میں گھسنے بھی نہیں دیں گی۔" گڈّو نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

❁❁❁

ہوا کچھ یوں کہ گڈّو میاں دو دن پہلے جب نان لینے بازار گئے تو نان والے نے جس کاغذ میں نان لپیٹ کر دیا' اس میں کیک بنانے کی ترکیب لکھی ہوئی تھی۔
گڈّو میاں نے جلدی سے وہ ترکیب پڑھ ڈالی' بلکہ اس پر عمل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا' مگر میدہ کا نام ان کو سمجھ نہیں آیا
اور پھر یہ مسئلہ بھی عدنان نے حل کر دیا۔ "میری امی کہتی ہیں کہ میدہ بھی آٹا ہی ہوتا ہے۔" عدنان فراست سے بولا۔

❁❁❁

"گڈّو! تمہیں پتا ہے کیک بنانا کتنا آسان ہے۔ بس! سب چیزیں پتیلی میں ڈالو اور چولہے پر رکھ دو۔" پیّو نے ماہرانہ انداز میں کہا اور گڈّو سر ہلانے لگا۔
اب گڈّو اور پیّو اس تاک میں تھے کہ کسی دن موقع ہاتھ لگ جائے۔ آخر تین دن بعد موقع مل ہی گیا...!
امی جی پڑوسن آنٹی کی عیادت کو جا رہی تھیں۔ گڈّو میاں نے پیّو کو بلا بھیجا۔

❁❁❁

اب گڈّو میاں اور پیّو کچن میں جلوہ افروز تھے۔ تمام چیزیں اکٹھی کی گئیں۔آٹا اور چینی بھر بھر کر ڈالا...انڈے بھی توڑ توڑ کر ملائے...
تھوڑا تھوڑا تیل کا چھڑکاؤ کیا...اور ایک ملغوبے کی شکل کی چیز کو ہلکی آنچ پر توے پر رکھ دیا گیا۔
"گڈّو! آنچ تیز کر دو۔اس طرح کیک کب بنے گا۔ کہیں امی نہ آجائیں۔" پیّو نے مشورہ جھاڑا۔
امی جی کے تصوّر سے گڈّو کے ہاتھ ٹھنڈے ہونے لگے۔ ویسے بھی اس ساری کاروائی میں کچن کی حالت بے حد ابتر تھی'
مگر گڈّو میاں کو اپنے کیک سے امید تھی کہ کھاتے ہی امی جی کی ساری ناراضی اُڑن چھو ہو جائے گی۔

❁❁❁

آنچ تیز کر دی گئی' مگر تھوڑی دیر بعد ایک عجیب سی بُو پھیلنا شروع ہو گئی۔ ویسے ہی ملغوبے کی شکل اتنی اچھی نہیں تھی اور پھر اب وہ جلنے بھی لگا۔
ابھی وہ دونوں اس صورتِ حال سے نکلنے کا حل تلاش ہی کر رہے تھے کہ امی جی کی آواز آئی۔
"گڈّو! گڈّو! کہاں ہو...؟ یہ بدبو کس چیز کے جلنے کی ہے...؟ میں تو سارے چولہے بند کر کے گئی تھی۔"
امی جی خود کلامی کرتی ہوئی کچن میں داخل ہوئیں۔ جہاں گڈّو میاں ایک جلے بُھنے کیک کے ہم راہ پائے گئے اور ان کا سر جھکا ہوا تھا۔

❁❁❁

"گڈّو! آپ کو یہ حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ تو صرف سامان ضائع ہوا' اگر آپ کو چولہے سے کوئی نقصان پہنچ جاتا تو...؟
اگر آپ کو کیک کھانا ہی تھا تو اپنی امی جی سے کہتے' وہ آپ کو بنا دیتیں۔" ابو جی نے گڈّو کو سمجھایا اور امی جی ایک طرف خفا بیٹھی ہوئی تھیں۔
"امی جی! مجھے معاف کر دیں...؟" گڈّو میاں منمنائے۔ "ہم م م...!" امی ناراضی سے بولیں۔
"ویسے گڈّو...! میدہ ایک الگ آٹا ہوتا ہے' جو کیک اور بیکری کی دیگر چیزوں میں ڈالا جاتا ہے۔ آئندہ خیال رکھنا!" چاچو جی مسکرائے۔
گڈّو میاں یہ سن کر کھسیانے ہوئے اور اس پر امی جی بھی ہنس پڑیں۔

ام مصطفیٰ

گڈّو میاں نے کیک بنایا

The Burger Shack

YOUR ORDER, OUR PRIORITY!

NOW DELIVERING: 111-TBS-TBS
(827-827)

گیتو کی مینو

ڈاکٹر الماس روحی

یہ ہندوستان کا شہر لکھنؤ تھا، جہاں گیتو رہتا تھا۔ گیتو کا نام احمر تھا، مگر سب اسے گیتو کہتے تھے، کیوں کہ اسے گیت گانے کا شوق تھا۔ اللہ نے اسے آواز بڑی سُریلی دی تھی، وہ اپنے نانا جان کے ساتھ رہتا تھا۔ بس! ایک نانا جان ہی تھے، جو اسے احمر میّاں کہتے تھے، ورنہ وہ سب کا گیتو ہی تھا۔ وہ بہت چھوٹا تھا جب اس کے امّا ابّا ایک حادثے کا شکار ہوئے اور اس دنیا سے چلے گئے۔ وہ اپنے نانا جان کو اپنا سب کچھ سمجھتا تھا، ان کا احترام کرتا تھا۔ یہ لکھنؤ شہر کی خاص بات تھی کہ یہاں سب نواب رہتے تھے، یہاں تہذیب سے رہنا سب کو آتا تھا۔ ہر تہوار یہاں کے لوگ جوش و خروش سے مناتے تھے۔ چاہے وہ رمضان ہو، عید ہو یا قربانی کی عید ہو اور شعبان کا مہینہ آتے ہی رونق اور بڑھ جاتی تھی۔

لکھنؤ شہر میں ہر شخص بازی لگاتا رہتا تھا، جنہیں پتنگ بازی کا شوق تھا، وہ چھتوں پر چڑھ کر بسنت کے مہینے میں ''وہ کاٹا... وہ کاٹا'' کا شور کرتے تھے۔ کوئی مرغ باز تھا تو کوئی تیتر باز اور کوئی بٹیر باز۔ پرندے رکھنے کے شوقین لوگ اُن کا پنجرہ بھی سونے چاندی کا بنواتے تھے اور پنجروں کو خوب سجایا جاتا تھا۔ ہر عید پر پرندوں کا سالانہ مقابلہ ہوتا تھا، جس کا مرغ، بٹیر یا تیتر جیت جاتا، وہ جشن مناتا اور خوب دعوتیں کرتا تھا، اس سے عید کا مزہ دوبالا ہو جاتا تھا۔

احمر بھی چاہتا تھا کہ وہ کوئی پرندہ پالے، مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ اس کے نانا جان تو ایک غریب بڑھئی تھے۔ گیتو کے نانا اس سے بہت پیار کرتے تھے اور اسے سمجھاتے تھے: ''بیٹا! پرندہ رکھنا آسان نہیں، اس کا کھانا پینا، دیکھ بھال کون کرے گا؟ پرندوں کو اگر کھانا وقت پر نہ ملے تو وہ بھوکے مر جاتے ہیں۔'' گیتو نانا جان کی بات سن کر خاموش ہو جاتا تھا۔ گیتو کو ایک باغ بہت پسند تھا۔ یہ باغ بہت گھنا تھا۔ یہاں پپیتے، کھجور اور بادام کے بڑے بڑے درخت تھے، جب وہ نانا جان کے ساتھ کام کرتے کرتے تھک جاتا یا میز، کرسی، پلنگ اور چار پائی وغیرہ بنانے میں نانا جان کی مدد کرتے کرتے اکتانے لگتا تو نانا جان کی اجازت سے ان کی دکان کے سامنے اس بڑے سے باغ میں چلا جاتا، یہاں میٹھا اور ٹھنڈے پانی کا کنواں تھا، جہاں وہ خوب پانی پیتا۔ نیم کی ٹھنڈی چھاؤں اسے بہت اچھی لگتی تھی۔ برگد اور پیپل کے درختوں سے سَر سَر کرتی ہوا کا شور، باغ کی رونق کو اور بڑھا دیتا تھا۔ کہیں کوئل کوکتی تو کہیں بُلبل بولتی تو کہیں پپیا پی او پی او کرتا۔ چڑیوں کی چہچہاہٹ کا شور اسے بہت بھاتا تھا۔ ایک روز وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ شدید گرمی تھی۔ ہر پرندے کا منہ پیاس سے کھلا ہوا تھا، اس نے باغ کے کنویں میں ڈول ڈالا اور خوب پانی پیا، جب ہاتھ منہ دھونے لگا تو اسے پرندوں کا خیال آیا، اس نے کنویں میں دوبارہ ڈول ڈالا اور پانی بھر کر کنویں کی منڈیر پر رکھ دیا۔

باغ کے سارے پرندے اُڑ اُڑ کر آتے رہے اور پانی پیتے رہے۔ جب سب نے پانی پی لیا تو برگد کے درخت پر سے ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا، اس نے پانی پیا پھر ''چو چو کر

کر'' کر کے گیتو کا شکریہ ادا کیا۔ گیتو حیران تھا۔ یہ ایک مینا تھی' جو بہت خوب صورت تھی اور بولنا جانتی تھی' اس کی آواز بھی بہت سُریلی اور میٹھی تھی' مگر یہ مینا زخمی تھی۔ شاید! اسے شکار کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کا سر کالے رنگ کا تھا اور چونچ پیلی تھی۔ اس کا پورا جسم کتھئی رنگ کا تھا اور اس کے پروں پر سفید رنگ کی دھاریاں تھیں۔ گیتو نے غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے پنجے پیلے رنگ کے تھے۔ دُم اور بازو کا کچھ حصہ سبز رنگ کا تھا۔ گیتو نے جب اس کا زخم دیکھا تو کہا: ''اے' میٹھی آواز والی مینا! اگر تمہارا زخم نہیں بھرا تو تم بیمار پڑ جاؤ گی اور پھر اُڑ نہیں پاؤ گی' اس لیے تم میرے ساتھ گھر چلو' تاکہ میں تمہاری دیکھ بھال کر سکوں۔''

مینا کو بھی اپنے زخم سے تکلیف ہو رہی تھی' لہٰذا وہ راضی ہو گئی' یوں وہ مینا کو گھر لے آیا۔ نانا جان بہت خوش ہوئے' انھوں نے اسے ایک قفس میں رکھا۔ گیتو کے نانا جان کا کہنا تھا کہ مینا کو پوری آزادی نہیں دینی چاہیے۔ یہ ایک شریر پرندہ ہے' اسے پنجرے میں ہی رکھنا چاہیے۔ گیتو نے مینا کا نام مینو رکھا۔ وہ جب اسے مینو پکارتا تو مینا خوشی سے پر پھڑ پھڑا کر ''چُوچُوچُوکُرکُرکُر'' کی آواز نکالتی۔ مینو ہر چیز مزے سے کھاتی تھی۔ گیتو نے اس کے جسم پر مرہم لگایا۔ زخم روز بروز ٹھیک ہوتا جا رہا تھا' وہ روز گیتو کے ساتھ باغ میں جاتی' جو گیت گیتو گاتا تھا' مینو بھی وہ گیت اپنی آواز میں گاتی تھی۔ گیتو اور مینو کے گانے پر پرندے باغ میں خوشی سے اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے اور اپنی اپنی آوازوں میں دونوں کو خوب داد دیتے تھے۔ گیتو کے گیت موسم' پھولوں' رنگوں' وطن اور خوشی پر ہوتے تھے۔ گیتو کے شہر میں گیتوں کا مقابلہ ہونا تھا۔ ہر وہ آدمی جو آواز کا سُر رکھتا تھا' اس مقابلے میں شریک ہوتا تھا۔ گیتو نے بھی خوشی کے گیت تیار کر رکھے تھے۔ مینو نے بھی اس کے ساتھ ساتھ تیاری کی تھی۔ جون کے مہینے میں عید کے بعد مقابلہ ہوا۔ پنڈال حیران تھا کہ بھلا کوئی پرندہ کیوں کر گا سکتا تھا' لیکن جب گیتو اور مینو نے خوشی کا گیت گایا تو سب کو بہت پسند آیا' اس لیے لاکھوں کا انعام گیتو کو ملا' اس دِن اسے واقعی بہت خوشی ہوئی۔ نانا جان بھی خوش ہوئے۔ گیتو نے مینو کو آزاد تو کر دیا' مگر مینو نے اسی باغ میں گھونسلہ بنا لیا' جہاں گیتو آرام کرنے آتا تھا۔ اب روز صبح گیتو اور مینو ایک باغ میں گیت گاتے اور سارے پرندے خوش ہو کر انھیں داد دیتے تھے۔

لغت

نواب... امیر' حاکم
تہذیب... آداب' تمیز
بڑھئی... لکڑی کا کام کرنے والا
منڈیر... دیوار کا کنارا
اُکتانا... بے زار
رونق... چہل قدمی
قفس... پنجرہ
پنڈال... ہُجوم

''جی' جی!'' حامد اور وقاص نے چونک کر جواب دیا۔ ''کھڑے کیوں ہیں اب تک؟ بیٹھ جائیں!'' کمپنی کے مالک نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''جی!'' اور وہ دونوں کرسی پر بیٹھ گئے۔ ''لگتا ہے آپ دونوں نے مجھے پہچانا نہیں اب تک؟'' کمپنی کے مالک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''پہچانا۔۔۔ ہم سمجھے نہیں؟'' دونوں نے چونکتے ہوئے ایک ساتھ کہا۔ ''اس میں سمجھنے کی کوئی بات نہیں۔ میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ دونوں نے مجھے پہچانا؟'' ''نہیں سر! معذرت کے ساتھ ہم نے آپ کو نہیں پہچانا۔'' وقاص نے ادب سے جواب دیا۔ ''حامد صاحب! آپ۔۔۔ نے بھی نہیں پہچانا؟'' کمپنی کے مالک نے لفظ ''آپ'' پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔ حامد اپنا نام ایک اجنبی کے منہ سے سن کر زور سے چونکا۔ ''نن' نہیں سر! آپ کون۔۔۔ میرا مطلب۔۔۔ آپ کا اسمِ گرامی!'' حامد نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

''حامد صاحب! میں وہی غریب' بے وقوف اور گرا ہوا انسان ہوں' جس کو آپ دوست بنانا پسند نہیں کرتے تھے؟'' ''سس۔۔۔ سر! ہمیں بالکل سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں!'' حامد اور وقاص نے حیرت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا۔ ''کیا آپ دونوں اتنا جلدی بھول گئے' اس گرے ہوئے بے وقوف' غریب ابو جندل کو!''

''ت۔۔۔ تو۔۔۔ کیا آپ ابو جندل ہیں؟'' حامد نے بے یقینی کے انداز میں پوچھا۔ ''جی ہاں! میں ہی ابو جندل ہوں۔'' حامد اور وقاص کو اپنے پیروں تلے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ابو جندل بات جاری کرتے ہوئے بولا: ''بہت معذرت! اگر میرے پاس مزید وقت ہوتا تو ضرور میں آپ دونوں کے پاس بیٹھتا۔ دراصل! مجھے بیرونِ ملک سفیر سے میٹنگ کے لیے جانا ہے' لہٰذا میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ بس! آپ دونوں سے اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ بندہ کتنا ہی کُند ذہن ہو' مگر محنت نہ چھوڑتا ہو تو اللہ رب العزت اسے کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے۔۔۔ خیر! میری کمپنی میں آپ دونوں کو خوش آمدید! اب جلدی جائیے' تاکہ آپ دونوں کا انٹرویو ہو سکے۔ اللہ حافظ!'' ابو جندل کب کا کمرہ نمبر 44 سے نکل چکا تھا' مگر حامد اور وقاص اب تک اس کی خالی کرسی پر نظریں جمائے سوچوں میں گم تھے۔

لب پہ آتی ہے دعا

سویرا فلک

"حمزہ! یہ سب کیا ہے؟" حمزہ کی امی دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں آئیں تو ایک بار پھر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ حمزہ کے کمرے کی تمام دیواریں پوسٹروں سے بھری ہوئی تھیں۔ "امی! آپ کو معلوم ہے کہ اس بار ورلڈ کپ میچ میں اسی کھلاڑی نے سب سے زیادہ رنز بنائے ہیں اور اس کو کتنے سارے انعامات ملے ہیں۔" حمزہ کا لہجہ ہمیشہ کی طرح جوش و خروش سے بھرپور تھا۔ "حمزہ بیٹا! ابھی پچھلے مہینے وہ باکسر اچھا لگنے لگا تھا، جس کو گولڈ میڈل ملا تھا تو تم نے پورا کمرہ اس کی تصویروں سے بھر لیا تھا اور اس کی تصویروں والی دیگر چیزیں خریدنے میں تم نے اپنی تمام پاکٹ منی خرچ کر دی تھی۔" امی نے ہمیشہ کی طرح حمزہ کو آڑے ہاتھوں لیا۔ "تو امی! آپ ہی تو کہتی ہیں کہ کامیابی پانے کے لیے بڑے لوگوں کی زندگیوں پر نظر رکھو اور ان جیسا بننے کی کوشش کرو۔" حمزہ نے بھی ہمیشہ کی طرح وہی جواب دیا، جو وہ پچھلے تین سالوں سے دیتا چلا آ رہا تھا۔

"بیٹا! کسی کو پسند کرنا اور اس کو آئیڈیل بنانا، صرف اس حد تک دانش مندانہ قدم ہے کہ اس کی اچھائی کو اپنانے کی کوشش کی جائے، نا کہ جنون میں مبتلا ہو کر اس طرح کی حرکتیں کی جائیں۔۔۔ اور پھر ان اداکاروں اور کھلاڑیوں کے بجائے، تمہیں ان ہستیوں پہ نظر رکھنی چاہیے، جن کی پوری زندگی مشعلِ راہ ہے، جیسے ہمارے راہ نما قائدِ اعظم، علّامہ اقبال اور سب سے بڑھ کر بطورِ مسلمان تمہیں قرآن پاک سے کامیاب زندگی کے راہ نما اصول چننے چاہییں۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ، جن کی تعریف و توصیف خود اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، جن کے دشمن بھی ان کے قدر دان تھے۔ ان کی سیرتِ طیّبہ سے راہ نمائی لینی چاہیے۔ تم جن لوگوں کے پیچھے بھاگ رہے ہو، ان کی زندگی، چمک دمک محض ایک دھوکا، فریب اور سراب ہے۔ میرے بیٹے! اسلام اعتدال کا سبق دیتا ہے، انتہاء پسندی کا نتیجہ محض نقصان ہے۔" امی نے اسے محبت اور تفصیل سے سمجھایا۔ حمزہ نے بظاہر تو سر ہلا دیا، مگر ان کی تمام باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا۔ آخر تنگ آ کر امی نے بھی سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔

❁❁❁

ایک دن حمزہ اور اس کی امی کسی عزیز کی شادی میں گئے ہوئے تھے کہ حمزہ کو وہاں اپنا پسندیدہ کھلاڑی نظر آ گیا۔ پھر کیا تھا؟ حمزہ نے فوراً سے پہلے اس سے آٹو گراف لیا اور دوسرے لوگوں کی طرح تصویریں بنوائیں۔ اس کھلاڑی کے اور بھی پرستار اس کے گرد ڈیرا ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی مسکرا مسکرا کر سب سے باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں ویٹروں نے سوپ دینا شروع کیا، نجانے کیا ہوا کہ ایک ویٹر سے سوپ اس کھلاڑی کے کوٹ پر چھلک گیا۔ کھلاڑی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا اور اسے خوب برا بھلا کہا۔ یہ منظر دیکھ کر سب پیچھے ہٹ گئے اور کھلاڑی تن فن کرتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ حمزہ یہ منظر دیکھ کر بہت افسردہ ہو گیا۔ امی نے لاکھ اس سے پوچھا، مگر وہ خاموش رہا۔ گھر آ کر بھی وہ چپ چاپ تھا، جب وہ سونے کے لیے لیٹا تو سارا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا اور وہ رونے لگا۔ امی گھبرا اٹھیں: "حمزہ، میرا بچہ! کیا ہوا؟" انھوں نے حمزہ کو گلے لگایا، اس کے آنسو پونچھے، پانی پلایا تو حمزہ کچھ سنبھل گیا اور پھر امی کے اصرار پر، اس نے اپنے رونے کی وجہ بتائی۔ "امی! آپ ٹھیک کہتی تھیں۔ میں ان لوگوں کی وقتی اور ظاہری چمک دمک سے متاثر ہو گیا تھا۔ میں بھول گیا تھا کہ ہمارے اصلی راہ نما حضرت محمد ﷺ ہیں۔"

"شاباش بیٹا! شکر ہے کہ تمہیں بروقت صحیح غلط کی پہچان ہو گئی۔ بیٹا! یاد رکھنا کہ کچھ بھی بننے سے پہلے تمہیں ایک اچھا انسان بننا ہے اور یہ شعور ہمیں صرف اور صرف تعلیم دیتی ہے۔ آج سے روز دعا کرو کہ تم ایسے بن جاؤ کہ لوگ تم جیسا بننے کی خواہش کریں۔" حمزہ نے اپنی امی سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی بات پر پوری طرح عمل کرے گا اور اس دن کے بعد سے آج تک حمزہ روز رات میں یہ دعا پڑھ کر سوتا ہے۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
دور دنیا کا میرے دَم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
ہو میرے دَم سے یوں ہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
زندگی ہو میرے پَروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب
ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اسی راہ پہ چلانا مجھ کو

Brighto™
Inspired by Nature

Brighto AllColor

Décor assumes a different meaning with Brighto Special Coatings
They give your living space a prestigious decorative finish by creating
a world of beauty, luxury and sophistication.

Regd.# MC-1366

brighto.paints | Toll Free 08000-1973 | BrightoPaintsPK | www.brightopaints.com

Brighto PAINTS

لالچ کا انجام

بہاولپور کے ایک گاؤں میں ایک ضعیف عورت رہتی تھی۔ اس کا ایک بیٹا تھا' جس کا نام صلاح الدین تھا۔ اس کے باپ کا اس کے پیدا ہوتے ہی انتقال ہو گیا تھا۔ اس کی ماں گھروں میں کام کاج کر کے بڑی محنت سے اپنے بیٹے کا پیٹ پالتی تھی۔ وہ عورت ہر روز ایک ہی راستے سے گزرتی تھی' جہاں ایک سوداگر کو' اس کی تھکی ہوئی حالت دیکھ کر اس پر بہت رحم آتا تھا۔ ایک دن سوداگر نے سوچا کہ کیوں نہ اللہ کی رضا کی خاطر اس کی مدد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ویسے بھی مخلوق کی مدد کرنے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس سوداگر نے ارادہ کیا کہ میں اسے ہر روز چند روپے دے دیا کروں گا' تاکہ وہ اپنا گزر بسر کر سکے۔

دن گزرتے گئے اور اس کا بیٹا بڑا ہو گیا۔ اس نے پڑھ لکھ لیا اور اسے ایک اچھی نوکری مل گئی' پھر ان کے حالات بہتر ہونے لگے۔ اس کی ماں نے بھی گھروں میں کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر اس عورت نے سوچا کہ میں کیوں اس سوداگر کے پیسے جانے دوں' اس لیے وہ ہر مہینہ تھکی ہوئی حالت بنا کر سوداگر کے پاس جاتی اور اس سے پیسے مانگتی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ایک دن وہ سوداگر' اس بوڑھی عورت کے نئے گھر کے راستے سے گزر رہا تھا تو اس کو پیاس لگی اور اس کو پانی کی شدید طلب ہونے لگی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ میں اس گھر سے ٹھنڈا پانی مانگ لوں۔ جب اس نے دروازے کی گھنٹی بجائی تو وہی بوڑھی عورت باہر نکلی۔ سوداگر بوڑھی عورت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سوداگر سمجھ گیا کہ وہ اسے بے وقوف بنا رہی تھی۔ بوڑھی عورت بھی سوداگر کو اپنے سامنے دیکھ کر بے حد شرمندہ ہوئی۔ سوداگر نے بوڑھی عورت کو خوب سنائی اور اس کی خوب خبر لی اور ادھر سے چلا گیا۔ اگلے دن ہی بوڑھی عورت کا بیٹا کسی حادثہ کا شکار ہو گیا اور اس کی نوکری چلی گئی۔ اس کے حالات پھر خراب ہو گئے۔ پیارے بچو! اسی لیے کہتے ہیں ''لالچ کا انجام برا نکلتا ہے۔''

مرسلہ: انشراح سلیم کراچی

عجوبہ

ایک بار پھر پاکستان کی سرزمین پر حیرت انگیز عجوبہ دیکھنے کو ملا' جو ''ڈی۔ سیون'' سے موسوم ہے۔ اس کی خصوصیات اور کمالات سے ہر بندہ واقف ہے۔ اندر کی حالت' نہ باہر کا ڈھانچہ' ہر طرح سے بے حال ہے۔ نہ بیٹھنے کو دل چاہتا ہے' نہ بیٹھنے کو مَن مانتا ہے اور اگر غلطی سے بیٹھ بھی گئے پھر تو اللہ ہی بیلی ہے۔ پاکستان کی شاہ راہوں پر جب چلتی ہے تو یوں معلوم ہوتی ہے' جیسے کوئی سو سال کی بوڑھی چل رہی ہو۔ نہ اس کا کوئی وقت مقرر ہے' نہ کوئی مستقل اسٹاپ ہے' جب دل چاہتا ہے' چلنا شروع ہو جاتی ہے اور جہاں دل چاہتا ہے رک جاتی ہے اور رفتار کا تو پوچھیے ہی مت۔۔۔! اور سُست اتنی ہے کہ اگر کچھوے سے دوڑ کا مقابلہ کروایا جائے تو کچھوا اس پر سبقت لے جائے گا۔

ایک دفعہ میرا پالا بھی اس عجوبے ''ڈی' سیون'' سے پڑا' اس کی خستہ حالت کا تو علم مجھے پہلے سے ہی تھا' مگر اس دن واقعی یقین بھی ہو گیا تھا کہ لوگ اس کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے' وہ سو فیصد درست تھا اور ان کی بات پتھر پر لکیر تھی۔۔۔ تو جب میں ''ڈی' سیون'' کے اندر داخل ہونے لگا تو لوگ لَق دَق بھرے ہوئے تھے۔ کھڑے ہونے کی جگہ تھی' نہ بیٹھنے کی۔ بڑی مشکل سے دروازے پر پاؤں رکھنے کی جگہ ملی تھی۔ اللہ' اللہ کر کے سفر شروع ہوا' اس کے بغیر کوئی اور چارہ کار بھی نہیں تھا۔ خیر! 15 منٹ کا سفر ایک گھنٹے میں کٹا اور منزلِ مقصود تک پہنچنے پر میں نے سکھ کا سانس لیا اور ساتھ ہی یہ عزم کیا کہ ان جیسے عجوبوں کا بائیکاٹ کر کے نئی حکومت سے نئے ماڈل کے عجوبے طلب کریں گے' تاکہ ہم سب خوشی خوشی اس میں سفر کر سکیں اور پُرسکون و آرام دہ سفر کی خواہش پوری کر سکیں۔

ابراہیم شاہ' متعلّم جامعہ بیت السلام کراچی

سچی خوشی

پیارے بچو!

کیا آپ کو معلوم ہے کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے؟
اور سچی خوشی کیسے حاصل ہوتی ہے؟
سچی خوشی اپنے عمل سے کسی کو خوش کرنے کا نام ہے۔
اپنے بہن بھائیوں میں، اپنے ہمسایوں میں اور اپنے اسکول کے ساتھیوں میں
کوئی ایسا دوست اور ساتھی ضرور دیکھیں، جس کی کوئی ضرورت ہو،
اور آپ اس کی ضرورت پوری کر کے سچی خوشی حاصل کر سکیں۔
اپنے کسی ساتھی کو کاپی، کلر یا کوئی ایسی ضرورت کی چیز دے دیں،
جو اس کے چہرے پر خوشی لائے۔
اگر ایسا نہیں ہے تو اپنے جیب خرچ یا اپنے عیدی کے پیسوں سے
مُلکِ شام کے یتیم بچوں کی مدد میں اپنا حصہ ضرور ڈالیے اور
اُن کے چہروں پر ہنسی لا کر سچی خوشی ضرور حاصل کریں۔
کرتے ہیں ناسب بچے وعدہ!

ماہنامہ فہمِ دین جولائی کے نئے سوالات

سوال نمبر 1: روزے دار کو اگر کوئی گالیاں بکے یا اس سے الجھے تو وہ جواب میں کیا کہے؟

سوال نمبر 2: کیا آنکھوں میں دوائی یا سرمہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال نمبر 3: ''ماں اللہ کی رحمت کب آئے گی؟'' چھ سالہ بچے کو یہ کس چیز کا انتظار تھا؟

سوال نمبر 4: ''دادا ابو! گناہ کیا ہوتا ہے؟'' اس سوال کا کیا جواب ہے؟

سوال نمبر 5: جس مقابلے میں ننھے منے بچوں نے ایک ہزار سے زیادہ سائیکل جیتے، اس مقابلے کا نام بتائیں؟

اپریل کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر 1: دودھ میں پانی ملانے کی بات پر معصوم بچی نے اپنی ماں سے یہ جملہ کہا۔

سوال نمبر 2: جی درست نہیں ہے۔ من گھڑت بات ہے۔

سوال نمبر 3: جی ہاں! دُہرا اجر ملتا ہے۔

سوال نمبر 4: سنہری گلابی دھوپ اور بارش

سوال نمبر 5: چالاک لومڑی کی باتوں میں

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام، عمر، کلاس، ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا، ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا۔ اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں، یا پھر وٹس اپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کر دیں۔

نوٹ: پیارے بچو! اس صفحے پر جو سوالات آپ سے پوچھے جاتے ہیں، ان کے جوابات ایک شمارہ چھوڑ کر اگلے شمارے میں ذکر کیے جائیں گے، تاکہ زیادہ سے زیادہ بچوں کے جوابات وصول ہو سکیں، پھر درست جواب دینے والوں کے نام بھی بتائیں گے اور اوّل، دوم، سوم کے لیے انعامات کا بھی۔

اپریل کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1...راشد منہاس، ششم، گیارہ سال، کراچی
2...رافعہ طاہر، چہارم، آٹھ سال، کراچی
3...طیبہ فرحان، ششم، بارہ سال، کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہمِ دین مبارک ہو۔

ختمِ نبوت

شاعر: اسامہ سرسری

ہم ختمِ نبوت کی اک دھوم مچادیں گے
امت کو محمدؐ کی پہچان کرادیں گے

وہ راج دلارے ہیں، اللہ کے پیارے ہیں
ہو پیار جنہیں ان کا، وہ سب کو بُھلا دیں گے

وہ سب کے ہی پیارے ہیں ، وہ سب سے نرالے ہیں
اعدائے محمدؐ کو ، جا جا کے بتا دیں گے

اللہ کا قرآں بھی، محبوبؐ کا فرماں بھی
آیات و حدیثیں ہم پڑھ پڑھ کے سنادیں گے

صورت بھی بتائیں گے، سیرت بھی سنائیں گے
ہم حبِّ محمدؐ سے ہر دل کو سجادیں گے

جب ذکرِ نبیؐ چھایا، اک وجد ہمیں آیا
رو رو کے رُلا دیں گے، ہنس ہنس کے ہنسا دیں گے

ہر شہر و بیاباں پر، ہر ساحلِ ویراں پر
ہم ختمِ نبوت کے جاں باز بٹھا دیں گے

ہم آخری امت ہیں، وہ آخری پیغمبرؐ
پیغام اسامہؔ کا ہر اک کو سنا دیں گے

پہلے اور اب

عابی مکھنوی

کچے گھر اور پکے رشتے ہوتے تھے
گاؤں والے کتنے میٹھے ہوتے تھے

سُنا ہے ہر دروازے میں اَب تالا ہے
پہلے تو ہر صحن سے رَستے ہوتے تھے

کون اذانیں دیتا ہے اَب مسجد میں
پہلے تو کچھ بوڑھے بابے ہوتے تھے

سنا ہے اب تو کار میں دُلہن جاتی ہے
پہلے تو ڈولی اور سکّے ہوتے تھے

سُنا ہے اب تو آدھا گاؤں باہر ہے
پہلے تو کھیتوں میں پیسے ہوتے تھے

سُنا ہے اب تو خشک پڑی ہے نَدیا بھی
یاد ہے! بادل کتنے گہرے ہوتے تھے!

سُنا ہے بچے گھر میں سہمے رہتے ہیں
پہلے تو گلیوں میں میلے ہوتے تھے

یاد ہے کھیل میں جب جھگڑے ہوتے تھے
یاد ہے ہم سب بالکل بچے ہوتے تھے

کیا اب بھی کوئی کھیلتا ہے اُس برگد پر؟
جس سے ہم دِن بھر ہی چپکے ہوتے تھے

سُنا ہے اب تو بچے بوڑھوں جیسے ہیں
پہلے بوڑھے بچوں جیسے ہوتے تھے

ہیں مُنّے میاں اپنے ابو کی جان

ارسلان اللہ

مُنّے میاں کی سنو داستاں
کہ ہر وقت کرتے ہیں یہ مستیاں
شرارت تو مُنّے کی پہچان ہے
یہی کام بس ان کو آسان ہے
سبق دیر ہی سے یہ کرتے ہیں یاد
مگر پھر بھی رہتے ہیں پُر اعتماد
یہ کرتے ہیں امی کو ’باجی کو تنگ
اُڑاتے ہیں ہر وقت جو یہ پتنگ
سبھی امتحانوں میں کھاتے ہیں مات
موبائل کی لیکن ہے سب معلومات
نہیں یہ کسی کی کبھی مانتے
عقلمند خود کو ہیں یہ گردانتے
کسی دن اگر مُنّے ہوتے ہوں بور
مچاتے ہیں اُس وقت بے حد یہ شور
ہمیشہ ہی اسکول جاتے ہیں لیٹ
تو اکثر انھیں بند ملتا ہے گیٹ
ہے باہر کے کاموں سے ان کو شَغَف
یہ لاتے ہیں سار اہی سودا سَلَف
ہمیشہ یہ کرتے ہیں سچی ہی بات
ہمیشہ یہ کرتے ہیں اچھی ہی بات
ہر اِک آدمی کو ہیں کرتے سلام
بزرگوں کا کرتے ہیں یہ احترام
کوئی چاہے کچھ بھی کہے ارسلانؔ
ہیں مُنّے میاں اپنے ابو کی جان

گلدستہ

حمدِ باریٰ تعالیٰ

تُو ہی چارہ گر ہے مولا مرِے دردِ لادَوا کا
تُو ہی ہر قدم سہارا مرِے ذوقِ اِرتقا کا
مرِے بے نیازِ مالک تُو ہی غم گسار میرا
مرِی التجا ہے تجُھ سے ہے مجیب تُو دُعا کا
ترِا جلوۂ منوّر مرِے دِل کے آئینے میں
ہے چراغ بن کے روشن ترِے نُور بے بہا کا
میں حقیر بندہ تیرا، تُو ہے کارساز میرا
مجھے زعمِ جبّہ سائی، نہ غُرور ارتقا کا
ترِے نُور سے فروزاں ترِے نُور سے درخشاں
مرِا دِل حریف کعبہ ترِے حُسن انتہا کا
ہُوں قفس میں بند کب سے میں گھُٹن سے جاں بلب ہُوں
تُو کرم سے اپنا روزن ذرا کھول دے ہَوا کا
ہے جمیلؔ کتنا مشکل اس طرح یہ حمد کہنا
اس زمیں میں صاف امکاں ہے شکستِ ناروا کا

جمیلؔ عظیم آبادی

نعتِ رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

آتا رہا خیالِ نبیؐ گام گام پر
جلتا رہا کنول سے کنول اُنؐ کے نام پر
رحمت تمام ہوگئی ماہِ تمام پر
تھی آپؐ کی نگاہِ کرم خاص وعام پر
اربابِ خیر ہوگئے اہلِ فساد بھی
لاکھوں دُرود اسوۂ خیر الانامؐ پر
اِک پیکرِ سفال کرے سیرِ عرش کی
پہنچا دیا خُدا نے ہمیں کس مقام پر
آقاؐ کی رحمتوں کی حدیں ماپنے چلی
پتھر خُدا نے ڈال دیے عقلِ خام پر
مفتُوں تھے لوگ آپؐ سحرِ سکوت سے
شیدا تھے لوگ آپؐ کے حسنِ کلام پر
افسرؔ نجات اُمتِ بیضا ہے منحصر
منشور پر خُدا کے، نبیؐ کے نظام پر

افسرؔ ماہ پوری

ماں

(غیر منقوط تحریر)

عبد الرحمن شاہ

”ماں“ اِک گلِ ہے۔۔۔اِک گوہر ہے۔۔۔اِک عطر ہے۔ وہ ہر لمحہ اولاد کے لئے دل کا سرور ہے۔۔۔ماں کی گود مولود کا مدرسہ اوّل ہے، ماں اللہ کی عمدہ عطا ہے۔۔۔ماں کا دل اولاد کی ہم دردی اور وِداد سے معمور ہے۔۔۔ماں اولاد کے گرد اِک حصار ہے۔۔۔آدمی، ماں کے واسطے سے اس عالمِ کو وارد ہوا۔ ماں اولاد کے لئے اک آرام دہ سائے کی طرح ہے۔۔۔ماں کے عدم سے گھر اُداس اور ادھورا ہے، وہ ہر دکھ درد کے لمحے اولاد کی حامی و مددگار ہے۔۔۔اولاد کا ملال ماں کا ملال ہے اور اولاد کے سرور سے ماں مسرور ہے۔ ماں سے دلی لگاؤ، اس کی ہم راہی اور اس کا اکرام، اللہ کے ہاں اعلیٰ صلے کے حصول کا واسطہ ہے۔ ماں کی حکم عدولی حرام ہے۔۔۔ماں کا عاصی دراصل اللہ کا عاصی ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کے گراں عطا کو ٹھکرا رہا ہے۔۔۔اس لئے آدمی کے لئے اہم ہے کہ وہ ماں کو ہر دم مسرور رکھے۔۔۔اس سے کلام کرے۔۔۔اس کا سدا اکرام کرے۔۔۔دُکھ اور صدمے کے لمحے اس کا سہارا ہو۔۔۔اس کے ہر حکم کا طائع رہے اور ہر طرح سے اس کو آرام دے اور اس سے دعا لے۔۔۔اس لئے کہ اُس کی دعا اللہ کے ہاں ممدوح و مسموع ہے۔

”ماں کے علوّ کو صد سلام“

دینی علوم

دینی علوم کے حصول کا مقصد نہ دنیا کمانا ہے، نہ اہلِ دنیا کی نظر میں عزت و وجاہت حاصل کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد محض حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کا حصول ہے اور یہ رضائے الٰہی محض حرف خوانی اور ورق گردانی سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ احکامِ الٰہیہ کی تعمیل اور آنحضرت ﷺ کی سننِ طیّبہ کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ پس! علومِ نبوّت کے حاملین و طالبین کو سب سے زیادہ اہتمام اس کا ہونا چاہیے کہ ان کا علم صرف "دانستن" (جاننے) کی حد تک نہ رہے، بلکہ ان کا حال و قال اور ان کی پوری زندگی اس علم کے رنگ میں ڈھلنی چاہیے۔ عالم بے عمل حق تعالیٰ شانہٗ کی نظر میں بہت ہی مبغوض ہے، وہ صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتا، بلکہ خلقِ خدا کی راہ بھی مارتا ہے۔ لوگ جس طرح عالم باعمل کے اخلاق و اعمال کو دیکھ کر دین کی راہ پر آتے ہیں، اسی طرح عالم بے عمل کے کرتوتوں کو دیکھ کر دین سے متنفر اور برگشتہ بھی ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے کہ "عالمِ بے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے دہانے کا پتھر، کہ وہ نہ خود سیراب ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو سیراب ہونے دیتا ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علم جو دل میں سرایت کر جائے، یہ علم تو نافع اور سود مند ہے اور دوسرا وہ علم، جو صرف زبان تک محدود ہو، یہ ابنِ آدم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ علم کے نافع ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ علم بذاتِ خود صحیح ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا استعمال بھی صحیح ہو۔ اگر علم صحیح نہ ہو تو وہ بھی وبال ہے۔ دینی علوم کی تحصیل میں نیت صحیح ہو گی تو علم بھی صحیح ہو گا اور اس کا استعمال بھی صحیح ہو گا، لیکن اگر شروع سے ہی نیت فاسد ہو تو علم بھی فاسد اور اس کا استعمال بھی فاسد ہی ہو گا، اس لیے سب سے زیادہ اہتمام تصحیحِ نیت کا ہونا چاہیے اور پھر اس کی ہمیشہ تجدید کرتے رہنا چاہیے۔ اہلِ بصیرت کے نزدیک تو دینی خدمات کی نیت سے علم حاصل کرنا مثلاً: ہم وعظ و تقریر کریں گے، درس و تدریس میں مشغول ہوں گے، تصنیف و تالیف کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ نیتیں بھی علم کے لیے حجاب بن جاتی ہیں۔

(حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ، اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں، جلد دوم، صفحہ: 562-762)

تشنگی

اے رات! تُو نے کیوں کیا اندھیرا کہ میرا کام ابھی باقی ہے
اے تھکن! کیوں آ لپٹا تُو نے مجھے کہ میرا کام ابھی باقی ہے
فراغت کی گھڑیاں تکتی ہیں مجھے، ہونے دو مصروف مجھے کہ
میرا کام ابھی باقی ہے
ہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کے میری بے چینیاں کہتی مجھے کہ
میرا کام ابھی باقی ہے
اے نیند! نہ بن بوجھل مجھ پہ کہ بیداریاں ابھی باقی ہیں
ہیں پکارتی خواب گاہیں مجھے کہ سجاں میں خواب نئے
میں کہتی ہوں کہ تیرے قرضے ابھی گردن پہ ہیں،
ان کی تعبیریں ابھی باقی ہیں۔
پھر کہتی ہے مجھ سے رنگ بدلتی دنیا! میری شادابی پہ اک نگاہ تو اٹھا!
میں کہتی ہوں کہ معاذ اللہ! میری آنکھوں میں حیا ابھی باقی ہے!
جب دیکھ کر مجھ سے کہے گا خدا! پی لے ہاتھوں سے میرے شرابِ طہور
کہ رکھا تھا تُو نے معاصی سے برسوں روزہ
قسم خدا کی کہ نہ ہٹانے دوں گی میں جامِ عشق کو!
کہتی رہوں گی یہی کہ تشنگی ابھی باقی ہے۔۔۔ کہ پیاس ابھی باقی ہے

امۃ اللہ

آپ کے اشعار

ذوقؔ کے مرنے کی سن کر، پہلے تو کچھ رُک گئے
پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر، اچھا ہوا!
ذوقؔ

یہی خوشیاں رہیں گی دہر میں ایسے ہی غم ہوں گے
مگر اِک وقت آئے گا، نہ تم ہوگے، نہ ہم ہوں گے!
اکبرؔ الٰہ آبادی

دِل پہ لیا ہے داغِ عشق، کھو کے بہارِ زندگی
اِک گُلِ تَر کے واسطے میں نے چمن لُٹا دِیا!
اصغرؔ گونڈوی

جنہیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصرؔ
وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے ہیں!
ناصرؔ کاظمی

یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سنو
وہ جو خدا کے ہوگئے، اُن کا خُدا ہوگیا!
مولانا ظفر علی خان

اخبار السلام

جولائی 2019ء مطابق ذی قعدہ 1440ھ

امت محمدیہ کے لیے بیت السلام کی تعلیمی تربیتی رفاہی خدمات کا اعتراف، پلاٹینیم میڈل دیا گیا

رفاہی خدمات میں ڈیڑھ سو سالہ شاندار ریکارڈ کے حامل ترک ہلال احمر نے بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ سمیت 4 عالمی رفاہی اداروں کو پلاٹینیم ایوارڈ سے نوازا

استنبول (نامہ نگار خصوصی) ڈیڑھ سو سال سے قائم ترک سرکاری رفاہی ادارے ترک کزلے نے اپنے 50 معاون اداروں کے ساتھ ایک شام منائی، جہاں اس ادارے نے دنیا بھر سے آئے ان اداروں کی خدمت کے اعتراف میں ایوارڈ تقسیم کیے، بیت السلام پاکستان سے مدعو واحد ادارہ رہا اور ان 4 عالمی اداروں میں شامل ہے جو پلاٹینیم ایوارڈ کے حق دار سمجھے گئے ہیں، کئی نامور عالمی ادارے گولڈ ایوارڈ کے حق دار ٹھہرے۔ بڑی تعداد جنرل ایوارڈ لینے والوں کی تھی، وزیر صحت کے ہاتھوں یہ ایوارڈ دیے گئے، توقع کی جارہی تھی کہ ترک صدر کی آمد ہوگی اور وہی ایوارڈ تقسیم کریں گے، لیکن ان کی چانک مصروفیات شرکت سے مانع رہیں، البتہ انھوں نے بہت اچھے الفاظ میں تمام اداروں کے لیے تشکر اور تحسین کے کلمات پر مشتمل پیغام بھیجا۔

علمائے کرام کے لیے بیت السلام کا ایجوکیشنل پروگرام تعلیمی میدان میں صلاحیتیں دکھا سکیں گے

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی کے اشتراک سے بی ایڈ پروگرام شروع، داخلہ تین ماہ کے فاؤنڈیشن کورس کے بعد ہوگا، کامیاب طلبہ کے لیے بی ایڈ اور تخصص فی فن التعلیم کی ڈگری

اسکالر شپ، رہائش اور علاج کی سہولت، کمپیوٹر میں مہارت اور انگریزی پر خصوصی توجہ، ماہر اساتذہ سے استفادہ اور ڈگری کے بعد تدریس کے عملی مواقع

کراچی (پ ر) بیت السلام نے اپنے ایجوکیشنل پروگرام کے تحت ایک اور عملی قدم اٹھایا ہے، جس کے تحت علماء کرام کے لیے تعلیمی میدان میں اپنی صلاحیتیں اور جوہر دکھانے کا موقع ملے گا، رفاہ انٹرنیشنل یونی ورسٹی کے اشتراک سے دینی مدارس کے فاضلین کے لیے دو سالہ بی ایڈ پروگرام کا آغاز کیا جارہا ہے، اس پروگرام میں داخلے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے تین ماہ کا ایک فاؤنڈیشن کورس کروایا جارہا ہے، جس کے بعد باقاعدہ بی ایڈ کلاسیں شروع ہوں گی، شرکاء کورس کو تعلیمی اسکالر شپ کے ساتھ رہائش، اور علاج کی سہولت بھی میسر ہوگی، فن تعلیم کے اس دو سالہ تخصص کے دوران شرکاء کی انگریزی اور کمپیوٹر میں مہارت پر خصوصی توجہ رہے گی، اس کورس کے شرکاء کے لیے تدریس کے نسبتاً زیادہ مواقع ہوں گے۔

چاول کے 5 اور کپڑوں کے 10 کنٹینر اہلِ شام کے لیے ترکی بھیجے گئے

اہل خیر کی طرف سے جانے والا سامان بیت السلام کے مراکز میں پہنچایا جاتا ہے، پھر حسب ضرورت مختلف خیمہ بستیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے

کراچی (پ ر) بیت السلام کی جانب سے اہلِ خیر کے تعاون سے اہلِ شام کے لیے لباس، خوراک سمیت ضرورت کی اشیاء بھجوانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے، ابھی گزشتہ دنوں وقفے وقفے سے چاول کے 5 اور کپڑوں کے 10 کنٹینر بھیجے گئے۔ اسی طرح چپلوں، جوتوں کے 12 ہزار سے زیادہ جوڑے بھیجے گئے، واضح رہے کہ یہ سامان بیت السلام کے مراکز میں پہنچایا جاتا ہے، پھر حسب ضرورت اور موقع مختلف خیمہ بستیوں کے لوگ اپنے نگران کی طرف سے جاری ٹوکن دکھا کر یہ سامان وصول کرسکتے ہیں۔

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics j.fragrances.cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

MEEZAN BANK (0127)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 0102749031

BANK ISLAMI (1024)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 1024-1030876-0001

DUBAI ISLAMIC BANK (0009)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 0383104002

UBL (0051)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 213610395

FAYSAL BANK (3400)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 3400301000000871

AL BARAKA (0108)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 102261146019

+92-21-111-298-111 +92-321-2120004 +92-322-2120004 qurbani@baitussalam.org